

جاسوسی دنیا نمبر 13

ہمیرے کی کان

(مکمل ناول)

کی طرف مڑا جو ابھی تک گھورے جا رہی تھی۔
”میں کہتا ہوں آخر اس قسم کی کتابیں چھاپنے سے فائدہ؟“ وہ چند لمحے بے خیالی میں رشیدہ

کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”اور میں کہتی ہوں آخر تمہاری زندگی سے فائدہ۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

”میں نے ابھی تک اس پر غور نہیں کیا۔“ انور نے آہستہ سے کہا اور کتاب پر نظریں

جما دیں۔

رشیدہ نے زمین پر پڑا ہوا فلت اٹھا کر صاف کیا اور میز پر رکھ دیا پھر کچھ دیر تک منہ بنائے ہوئے چاروں طرف دیکھتی رہی۔

”تم نے پھر کتابیں ادھر ادھر پھیلادیں۔“ رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

انور نے کتاب میز پر رکھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بال ہٹا کر کھڑا

ہو گیا۔

”تمہارے پاس کچھ پیسے ہوں گے؟“ اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔

”کیوں....؟“

”مجھے ایک ٹیکٹ سگریٹ لادو۔“

”میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ ہم لوگ دوپہر کا کھانا کہاں سے کھائیں گے؟“

”منہ سے۔“

”فضول باتیں نہیں کرو، ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ دوپہر کا کھانا کھایا جاسکے۔“

رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

”بس اتنی سی بات؟“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اس کی نہایت آسان تدبیر بتاتا ہوں وہ پرانے

اخباروں کا ڈھیر ہے اسے بیچ کر تم کم از کم دس روپے حاصل کر سکتی ہو۔“

”جہنم میں گئے اخبارات....!“ رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔ ”تم اپنی تنخواہ ختم کر دیتے ہو میری تنخواہ

کا زیادہ حصہ بھی تم پر ہی صرف ہوتا ہے اور پھر بھی آخر مہینے میں اس کی نوبت آ جاتی ہے۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ انور سنجیدگی اور نرمی سے بولا۔ رشیدہ ایک کرسی پر منہ پھیلانے ہوئے بیٹھ

گئی۔ انور تھوڑی دیر تک اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

پریشان حال عورت

انور اپنے فلیٹ کے ایک کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا وہ ایک آرام کرسی میں دو

ہوا تھا۔ ایک پیر سامنے والی میز پر تھا اور دوسرا پچھلی ہوئی ٹانگ پر، ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر سینے

جھول گئی تھی۔ فلت ہیٹ پیشانی پر تھی اور بکھرے ہوئے بال بھنودوں پر لہرا رہے تھے۔ اُس

آج صبح بھی شیو نہیں کیا تھا اس لئے سرخ و سپید رخساروں پر ہلکی ہلکی سبزی کچھ عجیب سی لگ رہی

تھی۔ اس کمرے میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ الماریوں میں کتابیں، میز پر کتابیں، کرسیوں

کتابیں فرش پر کتابیں، آرام کرسیوں کے چوڑے ہتھوں پر کتابیں، دو ایک کتابیں اُس کی گود میں

بھی پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں کچھ عجیب قسم کی بے ترتیبی تھی۔ فرش پر سگریٹوں کے بے ڈ

کٹڑے اور جلی ہوئی دیا سلاٹیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کتابوں کے درمیان الماریوں میں کہیں آدھے

میلے اور پھٹے پرانے موزے گھسے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ لکھنے کی میز پر سگریٹوں کی ذ

ڈیاں، ڈاڑھی بنانے کا سامان، کچھ نئے اور پرانے رسالے، دو ایک چائے کی پیالیاں جن پر نہ

سرخ رنگ کے دھبے تھے۔ ایک دو میلے کپیلے رومال اور نہ جانے کیا کیا لالہ ڈاڈھیر تھی۔ دیواروں

دو ایک کینڈر تھے جن میں پچھلی تاریخیں اب تک لگی ہوئی تھیں۔ انور نے کتاب پڑھتے پڑے

سر اٹھایا اور فلت ہیٹ پیشانی سے سرک کر نیچے فرش پر آ رہی۔ اُس نے بُرا سامنہ بنایا اور کتا

پیچھے کی طرف اچھال دی پھر ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ انور مڑا اور دروازے میں رشیدہ کھڑی

رہی تھی۔ کتاب اُس کے چہرے سے ٹکرائی اُس نے جھک کر کتاب اٹھائی اور انور کو گھورنے لگی

انور نے اپنی گود میں پڑی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھائی اور ورق گردانی کرنے

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ پھر اُس نے وہ کتاب بھی میز پر بیچ دی اور رش

”کون الو کا پٹھا تم سے کہتا ہے کہ تم اپنی تنخواہ مجھ پر خرچ کر دیا کرو۔ آخر تم میری ہو اور تم میرے فلیٹ پر کیوں آئی ہو۔ میں جب بھی تم سے کوئی اُدھار لیتا ہوں ایمانداری سے واپس کر دیتا ہوں اگر تمہاری ایک پائی بھی مجھ پر آتی ہو تو بتاؤ۔“

انور خاموش ہو گیا اور اُس نے پھر ایک کتاب اٹھالی۔ وہ پھر آرام کر سی پر دھنستا ہوا کتے میں ڈوب گیا تھا۔

• رشیدہ کی بھنویں چڑھ گئیں، پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں لیکن چند ہی لمحوں میں اُس کے نتھے پھڑکنے لگے اور وہ اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگی جیسے آنسو روئے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی بسورتی رہی پھر اٹھ کر پیر پختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول رہا۔ وہ ایک اخبار میں جرائم کا نامہ نگار تھا اور اسی اخبار میں مستقل طور پر قسط وار جاسوسی ناولیں لکھا کرتا تھا۔ صحیح معنوں میں اس اخبار کا سب کچھ وہ تھا۔ اگر وہ ادارے سے الگ ہو جاتا تو دوسرے ہی دن اخبار کی تعداد اشاعت آدمی سے بھی کم جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ایڈیٹر سے لے کر پریس ایڈیٹر تک اُس کی مٹھی میں تھے۔ وہ ایک کامیاب جاسوس بھی تھا۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا پولیس آفیسر رہا ہو جس کے دو چار راز اُسے نہ معلوم رہے ہوں۔ بس یہ سمجھنا چاہئے کہ اُن کی دکھتی ریگیں اُس کے ہاتھ میں تھیں۔ شاید ہی کوئی پولیس وائس ایسا رہا ہو جو اس نوجوان بے باک اور نڈر کرائم رپورٹر سے جلتا نہ ہو۔ اُس نے بہترے معاملات میں پولیس کی رہنمائی بھی کی تھی اور خصوصاً انسپکٹر فریدی کی عدم موجودگی میں تو اُس کی بن آئی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی والے بھی اُس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔

وہ ایک لاپرواہ اور اکھڑا نوجوان تھا۔ اُس نے اپنی زندگی ایک وکیل کی حیثیت سے شروع کی تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر اس راستے پر آ نکلا تھا۔ اُسے دراصل کارناموں سے پیار تھا۔ پچھلی زندگی قطعی ناخوشگوار گزری تھی اس لئے وہ ماضی کے دھند لکوں میں جھانکنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُس کے ماں باپ کون تھے اور کہاں تھے؟ بچے بھی یا نہیں وہ دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔

رشیدہ اسی اخبار کے دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔ وہ نہ جانے کیوں انور کے اس قدر قریب آ گئی تھی۔ اُن دونوں کے فلیٹ بھی برابر ہی برابر واقع تھے۔ صرف درمیان میں ایک دیوار حائل

تھی۔ رشیدہ بھی اسی کی طرح دنیا میں تنہا تھی اُس نے اپنے متعلق اُسے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ انور نے کبھی کچھ پوچھا ہی نہیں۔ ان دونوں میں دو چیزیں مشترک تھیں۔ پہلی تو یہ کہ دونوں اس وسیع دنیا میں تنہا تھے دوسری یہ کہ دونوں کارنامے پسند کرتے تھے۔ دونوں دلیر تھے۔ دونوں کو پرانے سماج سے نفرت تھی۔ متوسط طبقے کی صاف ستھری لیکن گھٹاؤنی زندگی ناپسند تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تھے۔ رشیدہ نے کئی کارناموں میں انور کا ساتھ دیا تھا۔ وہ دونوں اکثر آپس میں لڑ بھی جاتے تھے اور یہ لڑائی کچھ اتنی تلخ ہوتی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ وہ اب ایک دوسرے سے زندگی بھر نہ بولیں گے لیکن ان کا یہ عہد زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوا اور پھر ایک دوسرے سے بولنے پر مجبور ہو جاتے۔ نہ جانے کیوں؟ صرف ایک بات پر رشیدہ انور سے بہت زیادہ نالاں رہا کرتی تھی۔ وہ یہ کہ انور فضول خرچ تھا اور پھر جب مفلس ہو جاتا تو کبھی گھڑی بیچی جاتی، کبھی انگوٹھی اور کبھی ردی کاغذ، اُدھار لینے کا حاتم تھا لیکن پیسہ ملتے ہی سب سے پہلے پچھلا قرض میباق کرنے کی فکر کرتا تھا۔

اخبار کی آمدنی کے علاوہ بھی اُسے پرائیویٹ کیسوں کے سلسلے میں کافی پیسے ملتے رہتے۔ شہر کے متمول لوگ جس معاملے کی تفتیش کسی وجہ سے پولیس کے سپرد نہیں کرنا چاہتے تھے اُس کے سپرد کر دیتے تھے اور کام ہو جانے پر اس کے لئے وہ اُسے معقول معاوضہ دیتے تھے۔ بہر حال اگر وہ چاہتا تو نہایت شان سے زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن اپنے بے اصولے پن کی وجہ سے ہمیشہ مفلس رہتا تھا۔ لاپرواہی اُس کے کردار کا جزو لازم تھی۔ اس وقت بھی اُسے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ایک گھنٹے کے بعد اُسے دفتر جانا ہے۔

”تم سے ایک عورت ملنا چاہتی ہے۔“ رشیدہ نے دروازے میں آکر کہا۔

”لیکن میں کسی عورت سے ملنا نہیں چاہتا۔“ انور نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

”لیکن وہ تمہیں جانتی ہے۔“

”مجھے بہتری عورتیں جانتی ہیں۔“

”تو میں اُسے کیا کہہ دوں....؟“

”کہہ دو کہ میں نہیں ملنا چاہتا۔“ انور نے کہا۔

رشیدہ چلی گئی لیکن تھوڑی دیر بعد ایک جوان عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ ظاہری حالت

”گھر سے غائب ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اُسے ڈھونڈو۔“

”اس سلسلے میں پولیس زیادہ بہتر ثابت ہوگی۔“ انور نے کہا۔

”میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔“

”یہاں اس لئے کہ تمہارا شوہر دیوالیہ ہو چکا ہے؟“

”یہاں مطلب.....؟“ عورت چونک کر بولی۔

”ہر سرمایہ دار قسم کا آدمی دیوالیہ ہونے سے کچھ دن پہلے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے۔“

”کسی سے بدلہ لینے کا یہ اچھا طریقہ ہے انور۔“ عورت ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

”کیا بدلہ.....؟“ انور نے خیر آئیز لہجے میں پوچھا۔

”خیر میں انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہارے پاس آئی ہوں..... ورنہ.....!“

”میں تمہارے دیدار کے لئے تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔

”بس حد ہوگئی۔“ عورت چیخ کر بولی اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

”بسم اللہ۔“ انور بھی اٹھتا ہوا بولا۔

عورت کھڑی کھڑی تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

لیکن لمحہ بعد دوبارہ بیٹھ گئی۔ وہ سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

انور کھڑکی کے قریب جا کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مڑا۔ عورت نے آنسو

پونچھ ڈالے تھے اور رحم طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیا پہلی بار اُس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں پچھلے سال بھی ایک بار ایسا ہوا تھا۔“

”غائب ہو گیا تھا؟“

”نہیں اُس کے ایک دوست نے اُسے گھر تک پہنچایا تھا۔ وہ اچانک ایک ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے

اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔“

”کون دوست، اُس کا نام اور پتہ.....؟“ انور نے پوچھا۔

”یہ تو مجھے یاد نہیں، بہر حال وہ اُس کا کوئی دوست ہی تھا۔“

”خیر.....!“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”یہ کیفیت کتنے دنوں تک قائم رہی تھی؟“

سے کوئی معقول عورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ سفید سلک کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جسم پر سب سے لمبا کوٹ تھا اور گلے میں ہیروں کا بیش قیمت ہار، ہونٹوں پر نہایت شوخ قسم کی لپ اسٹک کی تزئین تھی۔ آنکھوں میں بلا کی جاذبیت تھی۔ وہ دروازے سے کچھ دور آکر ٹھک گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول تھا۔ آہٹ سن کر وہ کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

”اب کیا ہے؟“

”اوہ..... اُل..... انور.....!“ وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ انور چونک کر مڑا۔

”اوہ تم ساجدہ۔ کیوں؟ کیسے زحمت گوارا فرمائی؟“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔ عورت نے لہجے کی تلخی محسوس کر لی لیکن کچھ بولی نہیں۔ قبل اس کے کہ انور اُس سے بیٹھنے کے لئے کہتا وہ خود ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

”شاید پانچ سال بعد ہم لوگ مل رہے ہیں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”لیکن پانچ سال بعد ملنے کی وجہ؟“ انور نے بے رخی سے پوچھا۔

”انور میں اس وقت مصیبت زدہ ہوں۔“ وہ ملتہجاندہ انداز میں بولی۔

”اوہو... کمال کر دیا۔ اتنے قیمتی ہار اور اتنے نادر کوٹ میں بھی تم خود کو مصیبت زدہ سمجھتی ہو؟“

”انور.....!“ عورت تیز لہجے میں بولی۔ ”میں تم سے سودا کرنے آئی ہوں۔“

”تو کرو نا.....!“

عورت نے گھوم کر رشیدہ کی طرف دیکھا جو پرانے اخبارات اکٹھا کر رہی تھی۔

”تمہاری بیوی ہے؟“ عورت نے انور سے پوچھا۔

”نہیں، بیوی سے زیادہ۔“

”یعنی.....؟“

”میری دوست ہے۔“ انور اکتا کر بولا۔ ”تم اپنی بات کہو۔“

اس دوران میں رشیدہ اخبارات کا ڈھیر اکٹھا کر کے باہر جا چکی تھی۔

”میرا شوہر اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“ عورت بولی۔

”تو میں کیا کروں میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوں۔“ انور نے کہا۔

”مجھے پوری بات کہنے دو۔“ عورت گرج کر بولی۔ ”وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اور تین دن

”تین دن....!“

”اس کے بعد....؟“

”وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔“

”اس دوران میں کیا ہوا۔ کیا اس کے غائب ہوجانے سے پہلے تم اس کی ذہنی کیفیت واقف تھیں؟“

”ہاں میں اس کی نگہداشت کرتی تھی لیکن پرسوں رات کو جب میں سو رہی تھی وہ طرف نکل گیا۔“

”کیا ادھر اس کی مالی حالت کچھ خراب ہو گئی تھی؟“ انور نے پوچھا۔

”نہیں.... قطعی نہیں۔ آج سے پندرہ دن قبل اس نے مجھے بتایا تھا کہ اُسے کپڑا بیٹے مشینوں کی درآمد میں کافی فائدہ ہوا ہے۔“

”کیا تمہارے اور اس کے تعلقات آج کل کچھ ناخوشگوار ہو گئے ہیں؟“

”قطعی نہیں۔“

”اس کے ملے والوں میں کوئی ایسی عورت جس سے وہ بہت قریب ہو؟“

”کوئی نہیں۔“ عورت جلدی سے بولی۔ ”یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے رہا ہوں۔ اسلئے جو کچھ مناسب سمجھوں گا پوچھوں گا۔“

”میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔“

”لیکن تم اس کی رپورٹ پولیس میں کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟“ انور نے پوچھا۔

”مجھے خوف ہے کہ اس خبر کے مشہور ہونے پر کچھ لوگ بے ایمانی پر کمر بستہ ہو جائیں۔“

”عورت بولی۔“

”یعنی....؟“

”اس کی تجارت کے ساجھی دار۔“ عورت نے کہا۔

”مجھے ایسے لوگوں کے پتے نوٹ کرادو۔“ انور نے کہا۔

عورت نام اور پتے بولتی رہی۔ انور لکھتا رہا۔

”میں آج ہی سے کام شروع کر رہا ہوں۔ لیکن اخراجات....؟“

عورت نے اپنا بیگ کھول کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور اُسے میز پر ڈالتی ہوئی بولی۔ ”یہ پانچ سو روپے ہیں۔ بقیہ پانچ سو کام ہو جانے پر دوں گی۔“

انور نے بنڈل اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

”میں کل صبح تم سے ملوں گا۔ آج کل کہاں رہتی ہو؟“

”۱۳ اسکر اسٹریٹ میں۔“

”فون نمبر....؟“

”تین سو بیالیس....!“

”اچھا....!“ انور اٹھتا ہوا بولا۔

عورت چلی گئی۔ انور پھر ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ آئی اور اس نے اخبار کا بنڈل فرش پر پٹخ دیا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ انور مسکرا کر بولا۔

”بات یہ ہے۔“ رشیدہ ہونٹ بھیج کر بولی۔ ”کہہ ردی فردوشوں کو ضرورت نہیں اور میں اس بنڈل کو بغل میں دبا کر شہر کا چکر نہیں لگا سکتی۔“

”تو اس بنڈل کو سنبھالو۔“ انور نے نوٹوں کا بنڈل اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

”اوہ یہ کیا.... یہ.... یہ....!“ رشیدہ رک رک کر بولی پھر تیز لہجے میں پوچھا۔ ”وہ عورت کون تھی؟“

”ایک غرض مند....!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”جو کام وہ مجھ سے لینا چاہتی ہے یہ اس کی آدمی“

”وہ تم سے بے تکلف معلوم ہوتی تھی۔“ رشیدہ نے مشکوک لہجے میں کہا۔

”ہاں آج سے پانچ سال پہلے میں اس سے حماقت کرتا تھا۔“ انور نے کہا۔

”اوہ.... یعنی.... یعنی محبت کرتے تھے؟“

”ہاں....!“

”اور اب....؟“ رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”تو یہ وہی عورت ہے جس نے تمہیں اس“

”حال کو پہنچادیا ہے؟“

”لا حول ولا قوۃ۔“ انور نے اسامہ بنا کر بولا۔ ”اس حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟“
”یہی بے تکی زندگی۔“

”لیکن میں اسے بے تکی نہیں سمجھتا اور شاید تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک کلاسیکل حر
نا کام عاشق جیسی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ لا حول ولا قوۃ اس کا تصور بھی میرے لئے تو جین کا ہار
ہے ایک عورت کے لئے.... ہو نہہ....!“

رشیدہ کچھ دیر خاموش کھڑی رہی پھر نوٹوں کا بنڈل انور کی طرف پھینک دیا۔

”میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔“ رشیدہ منہ بسور کر بولی۔

”ہاں یہ سچ ہے کہ تم میری کوئی نہیں ہو۔“ انور ہونٹ بھیج کر بولا۔ ”لیکن اگر تم یہ نو
اپنے پاس نہیں رکھو گی تو میں تمہارا سر دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش کر دوں گا سمجھیں؟“
”لیکن وہ تم سے کیا کام لینا چاہتی ہے؟“ رشیدہ نے پوچھا۔
”اُس کا شوہر کھو گیا ہے۔“

”اس لئے اب وہ تم پر ڈورے ڈال رہی ہے۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

”پھر وہی فضول بکواس۔ جانتی ہو اُس کا شوہر کون ہے؟“

”نہیں....!“

”شہر کا مشہور سرمایہ دار ارشاد علی۔“

”اوہ تو یہ ساجدہ تھی اور تم اُس سے محبت کرتے تھے؟“

”ہاں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہ میری کلاس فیلو تھی پہلے اُس نے مجھ سے حماقت ثر
کی تھی لیکن بعد میں وہ ایک سرمایہ دار کو پھانسنے میں کامیاب ہو گئی اور میں ایل۔ ایل۔ بی کا ڈیپ
لے کر جہالت کرنے لگا۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکی کیونکہ خود میرا ذہن بڑی حد تک
بحرمانہ ہو چکا تھا۔“

”تمہیں افسوس تو بہت ہوا ہو گا....؟“ رشیدہ نے کہا۔

”کیوں افسوس کیوں ہوتا۔“ انور نے لاپرواہی سے کہا۔

”تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔“

”تھی کیوں نہیں۔ جب تک وہ مجھ سے ملتی رہی مجھے اُس سے محبت رہی اور جب یہ نہ

ہو گیا کہ وہ میری نہ ہو سکے گی تو میں اُسے بالکل بھول گیا۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ اگر میں بھی....!“ رشیدہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”ہاں ہاں جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو میں تمہیں بھی بھول جاؤں گا۔“ انور نے کہا۔

”جاؤ جلدی سے ایک ڈبہ اسٹیٹ ایکسپریس خرید لاؤ۔ میں نے دو گھنٹے سے سگریٹ نہیں پیا۔“

”تم اُس کے روپے واپس کر دو۔“ رشیدہ نے آہستہ سے کہا۔ ”میں اخبار سچ کر لاؤں گی۔“

”ہشت....!“ انور منہ بنا کر بولا۔ ”ذرا یہ بتاؤ ہم پر اُدھا کتنا ہے؟“

”دو سو روپے....!“ رشیدہ نے کہا۔

”اور تم کہتی ہو کہ میں اُس کے روپے واپس کر کے مفت کام کر دوں۔“

”تم غلط سمجھے میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم یہ کیس نہ لو۔“

”کیوں....؟“

”اس طرح وہ پھر تمہارے قریب آجائے گی۔“

”آجانے دو....!“

”میرا مطلب ہے کہ کہیں تمہاری محبت پھر نہ جاگ اٹھے۔“

”ممکن ہے۔“

”لیکن میں یہ نہیں چاہتی۔“ رشیدہ جھلا کر بولی۔

”کیوں؟“

”میں نہیں جانتی۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”تمہیں یہ روپے واپس ہی کرنے ہوں گے۔“

”اور قرض....؟“

”کسی نہ کسی طرح ادا کر دیں گے۔“

”تمہاری بہت نفعی سی عقل ہے۔“ انور بولا۔ ”تم سمجھتی ہو کہ شاید میں پھر اُس سے محبت

کرنے لگوں گا۔“

رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”جاؤ سگریٹ لاؤ۔ قرض ادا کر دو۔“ انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

”اور اپنے لئے ایک سوٹ کا کپڑا بھی خرید لینا۔ آج ہم کسی شاندار ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔“

”مجھے نہیں چاہئے سوٹ میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔“ رشیدہ نے کہا اور نوٹوں کا ہاتھ میں لئے ہوئے پیر پختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

انور نے وہ کاغذ جیب سے نکالا جس پر ساجدہ نے پتے لکھوائے تھے اور کچھ دیر تک نام اور پتوں کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر بال درست کئے۔ ٹائی کی گرہ ٹھیک کی، اور کوٹ پہنا اور رشیدہ واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

چھان بین

انور نے موٹر سائیکل نکالی اور ارشاد علی کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں اُس نے دو ایک تھانوں سے اپنے اخبار کے لئے خبریں بھی مہیا کیں اور انہیں ترتیب دے کر اخبار کے دفین میں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ دفتر کے عملے نے اُس کا نام ”طوفانی“ رکھ چھوڑا تھا۔ وہ جب بھی دفتر میں داخل ہوتا خاصی ہڑبونگ مچ جاتی اور چپراسی سے لے کر ایڈیٹر تک کو معلوم ہو جاتا کہ انور دفین میں آگیا ہے کبھی وہ پروف ریڈر سے الجھتا اور کبھی کمپوزیٹروں سے، حد یہ ہے کہ چیف ایڈیٹر بھی اُس کی نکتہ چینیوں سے نہیں بچتا تھا۔

ارشاد علی کے دفتر میں اُسے تھوڑی دیر تک اُس کے پارٹنر شاہد کا انتظار کرنا پڑا۔ تقریباً بارہ بجے وہ آیا۔ یہ بھی ارشاد علی کی طرح خاصا دولت مند آدمی تھا۔

”میں ارشاد علی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔“ انور نے اُس سے کہا۔

”کیوں.....؟“ شاہد نے انور کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”ایک ضروری کام ہے۔“

”ارشاد صاحب کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔“ شاہد نے کہا۔

”لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے وہ یہیں ہیں۔“ انور نے کہا۔

”ممکن ہے۔“ شاہد نے کہا اور اپنے کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور بھی اُس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ شاہد غصے میں اُس کی طرف مڑا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا انور نے کہا۔

”پچھلے سال جب ارشاد صاحب اپنی یادداشت کھو بیٹھے تھے تو آپ کہاں تھے؟“ شاہد چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

”کیوں.....؟“ شاہد کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

”اپنی معلومات کے لئے پوچھ رہا ہوں۔ جس میں پولیس خاصی دلچسپی لے گی۔“

”آپ ہیں کون.....؟“ شاہد نے معجبانہ انداز میں پوچھا۔

”خدائی فوجدار.....!“

”اگر آپ قاعدے سے بات نہیں کریں گے تو میں آپ کو دھکے دے کر یہاں سے نکلوا دوں گا۔“ شاہد گرج کر بولا۔

”خیر.....!“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں آپ کو اس کی رحمت نہ دوں گا۔ ویسے اب پولیس آپ

میں کافی دلچسپی لے گی، بارہ ٹن لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں۔“

انور جانے کے لئے مڑا۔

”ٹھہریے۔“ شاہد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اُس کے چہرے پر سپیدی دوڑ گئی تھی۔ اُس

نے انور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

انور کرسی کی پشت پر تنک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ وہ شاہد کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”آپ کو ارشاد علی کے یادداشت کھو بیٹھنے کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟“ شاہد نے بھرائی ہوئی

آواز میں کہا۔ ”اس کا حال سوائے میرے اور اُس کی بیوی کے کسی اور کو معلوم نہیں تھا۔“

”تو آپ ہی نے انہیں ہوٹل سے اُن کے گھر تک پہنچایا تھا؟“ انور نے پوچھا۔

”جی ہاں..... مگر.....!“

”کیا اس دوران میں بھی اُن پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا؟“ انور نے پوچھا۔

”مجھے اس کا علم نہیں۔“

”آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ وہ آج کل باہر گئے ہوئے ہیں؟“

”اُس کی بیوی نے مجھے اطلاع دی تھی۔“

”وہ خود کچھ نہیں کہہ گئے؟“

”جی نہیں۔“ شاہد نے کہا۔ ”لیکن آپ ہیں کون؟“

”انور سعید۔ اشارہ کر ائم رپورٹر۔“

”اوہ.....!“ شاہد اُسے تحفہ آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”آپ اُن کے جگہری دوستوں میں سے ہیں؟“

”ہاں۔ لیکن اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ شاہد نے بیزاری سے کہا۔

”وقت تو میرے پاس بھی نہیں۔ کیا ارشاد صاحب کا کسی عورت سے ناجائز تعلق بھی ہے؟“

”چرا اسی.....؟“ شاہد چیخا۔

”خیر خیر..... شاید میں ابھی لوٹ کر آؤں۔“ انور نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹا اور دروازے کی جتن ہٹا کر کہنے لگا۔ ”لیکن میرے پاس اس

مکمل ثبوت ہے کہ آج کل آپ لوگ لوہے کی چور بازاری کر رہے ہیں۔“

چند لمحوں میں وہ سڑک پر اپنی موٹر سائیکل اشارت کر رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں ایک

تھی آخر ساجدہ نے صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ پچھلے سال اُس کے شوہر پر جب یہ دورہ پڑا

تو اُسے گھر پہنچانے والا شاہد ہی تھا شاہد اُس کا سب سے بڑا سا جھمی دار تھا اور دونوں آپس میں

گہرے دوست بھی تھے لہذا ایسی صورت میں وہ ساجدہ کے لئے غیر معروف نہیں ہو سکتا۔ کیا وہ

بچہ بھول گئی تھی کہ اُس کے شوہر کو گھر تک کس نے پہنچایا تھا؟ یا پھر اُس نے قصد آشہد کا؟

نہیں لیا اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی وجہ؟

موٹر سائیکل ایک ٹائٹ کلب کے سامنے رک گئی انور خود بھی کبھی اس کلب کا ممبر رہ چکا

تھا۔ باہر کھڑے ہوئے چڑا اسی نے اسے سلام کیا اور وہ سر کو ایک خفیف سی جنبش دیتا ہوا کلب کی

عمارت میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی نیجر کا کمرہ تھا۔ انور سیدھا وہیں چلا گیا۔ ایک بڑی سی میز پر

کنبیاں نیکی ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اونگھ رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونکا۔

”فرمائیے.....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”اوہو..... انور صاحب..... دیکھئے میں نہ کہتا تھا کہ آپ

اس کلب کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ صبح کا گیا اگر شام کو آجائے تو اُسے بھولنا نہ کہنا چاہئے وہ کیا

ہے مرزا غالب نے۔“

”مرزا غالب نے یہ کہا ہے کہ شراب کی ناجائز تجارت کرنے سے محبوب کے والدین ہمیشہ

خوش رہتے ہیں۔“ انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”ہوہوہو..... مسٹر انور..... میں آپ کی آواز سننے کے لئے ترس گیا تھا۔ بقول شاعر

تو نہیں سامنے اگر اے جاں

اپنی آواز ہی سنائے جا

”میری آواز رسیلی ہے نا.....؟“ انور نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

”ہاں مسٹر انور..... دیکھئے بھلا سا شعر ہے۔“

”شش..... ارشاد علی یہاں کب سے نہیں آیا؟“

”مسٹر انور.....!“ نیجر بے رخی سے بولا۔ ”میں کسی ممبر کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔“

”بیچیلی بار اُس کے ساتھ کون عورت تھی؟“ انور نے نیجر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”عورت؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر انور۔ یہ صرف مردوں کا کلب ہے۔ یہاں کبھی

عورت نہیں آئی۔“

”خیر خیر..... یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ انور نے کہا۔ ”اور اسی وقت اس عمارت

سے نصف درجن عورتیں برآمد کر سکتا ہوں جن سے تم باقاعدہ پیشہ کراتے ہو۔“

”مسٹر انور آپ ایک شریف آدمی کی توہین کر رہے ہیں۔“ نیجر چیخ کر بولا۔

”خیر میں اس کی صداقت کے لئے سرکاری جاسوس مسٹر آصف کو فون پر بلائے لیتا ہوں۔“

انور نے اٹھ کر فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟“ نیجر نے فون پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے

کہا۔ ”بیٹھے آپ کے لئے چائے منگواؤں یا کافی؟ آپ کے غصے پر تو بقول شاعر۔“

”جنہم میں گیا شاعر میں جو کچھ پوچھتا ہوں اُس کا ٹھیک ٹھاک جواب دو۔“

”تو پوچھئے نا۔“

”ارشاد کے ساتھ کون عورت تھی؟“

”کوئی نہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ وہ کبھی اپنی بیوی کو یہاں نہیں لائے۔“ نیجر نے کہا۔

”یہاں کے پتے پر اُس کے خطوط بھی آتے ہیں؟“ انور نے پوچھا۔

”اس کی اطلاع کلرک کو ہوگی۔“ نیجر نے کہا۔

”اُسے بلواؤ۔“

میجر نے گھنٹی بجائی چہرہ اندر آیا اور میجر نے اُسے کلرک کو بلانے کے لئے کہا۔ تھوڑی
بعد ایک دہلا پتلا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

”سیٹھ ارشاد علی کے نام یہاں خطوط آتے ہیں۔“ انور نے اُس سے پوچھا۔
کلرک میجر کی طرف دیکھنے لگا۔

”اوہ مسٹر انور....!“ میجر بولا۔ ”ممبروں کی ہر بات صیغہ راز میں رکھی جاتی ہے۔“
”میں جو کچھ پوچھتا ہوں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔“ انور نے کلرک سے کہا۔ ”ورنہ اپنے میجر
کے ساتھ ہی تم بھی مصیبت میں پڑو گے۔“

کلرک نے پھر میجر کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

”بتاؤ بھی بتاؤ۔“ میجر نے تنک آکر کہا۔ ”آج تو بقول شاعر.... پینہ....!“
”جی ہاں اکثر اُن کے خطوط یہاں آتے ہیں۔“ کلرک ہچکچاتا ہوا بولا۔

”کون بھیجتا ہے؟“

”پتہ نہیں۔ عموماً لفافے ہوتے ہیں لیکن یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ دولت گنج کے ڈاک خانے میں
پوسٹ کئے جاتے ہیں۔“

”کیوں؟ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دولت گنج سے پوسٹ کئے جاتے ہیں۔“ انور نے
کلرک کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”میں اُن کے ہر لفافے کی مہر دیکھتا رہتا ہوں۔“

”تو تم ہر ایک کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو؟“ انور نے کہا۔ ”غالباً ہر ممبر کی ڈاک کے متعلق
تمہیں اس قسم کی معلومات رہتی ہوں گی؟“

”جی نہیں۔“ کلرک گہرا کر بولا۔ ”میں صرف ارشاد صاحب کے نام آنے والے لفافوں
کے بارے میں جانتا ہوں۔“

”کیوں؟ خصوصیت سے انہیں کے بارے میں کیوں؟“

”وہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں رنگین اور خوشبودار اور طرز تحریر....!“

”کسی عورت کا ہوتا ہے“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔ ”اسی لئے تم ان لفافوں کی طرف زیادہ

دھیان دیتے ہو؟“

”جی ہاں....!“ کلرک جلدی سے بولا۔ پھر میجر کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر شپٹا گیا
اور کہا ”جی نہیں۔“

”تم اپنا منہ اُدھر پھیر لو۔“ انور نے میجر سے کہا۔ ”ورنہ مجبوراً مجھے....“ انور فون کی طرف
دیکھ کر چپ ہو گیا۔

”لاحول ولا قوۃ۔“ میجر اٹھتا ہوا جھلا کر بولا۔ ”بقول شخصے....“ وہ زمین پر زور زور سے میجر
بارتا کرے سے چلا گیا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کلرک خاموشی سے بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنے
ذہن ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

”وہ یہاں سے کبھی کسی کو خطوط لکھتا بھی ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”مجھے اس کا علم نہیں۔“ کلرک نے کہا ”لیکن اکثر اُس نے دولت گنج ہی کے پتے پر یہاں
سے کچھ پارسل ضرور روانہ کئے ہیں۔“

”کسی عورت کے نام....!“ انور نے پوچھا۔

”نہیں مرد کے نام۔ سعید منزل۔ دولت گنج میں کوئی صاحب رضوان صدیقی ہیں۔“ کلرک
نے کہا۔

”سعید منزل تو بہت بڑی عمارت ہے۔ فلیٹ کا نمبر یاد نہیں۔“ انور نے کہا۔
”جی نہیں۔“

”اچھا....“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل دولت گنج والی سڑک پر
دوڑ رہی تھی۔ بیس منٹ بعد وہ سعید منزل کا ایک ایک فلیٹ جھانکتا پھر رہا تھا۔ انور نے ایک بند
دروازہ کو انگلی سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔ ایک آدمی دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ شاید وہ کمرے
کی صفائی کر رہا تھا۔

”رضوان صاحب ہیں؟“ انور نے پوچھا۔

”باہر گئے ہوئے ہیں۔“ اُنہں نے جواب دیا۔

”کب واپس آئیں گے۔“

”میں نہیں جانتا۔ بیگم صاحب سے پوچھئے۔“

”کہاں ہیں بیگم صاحبہ....؟“

”اوپری منزل میں۔“ اس نے ایک زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انور کچھ کہے بغیر زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں بھی دروازہ اندر سے بند تھا۔ انور دروازے پر دستک دی۔

”اوہو..... ٹھہرو..... بھی.... ایک منٹ۔“ اندر سے ایک سریلی اور نسوانی آواز آئی۔ انور معنی خیز انداز میں منہ بنا کر اپنے زیدے پھرانے لگا۔

چند لمحوں کے بعد دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ ایک خوبصورت لڑکی نیم عریاں لباس میں سامنے کھڑی تھی اور پھر اچانک چیخ مار کر وہ اندر بھاگ گئی۔ انور بدستور کھلے ہوئے دروازے کے سامنے کھڑا رہا۔ اُس نے اس جوان لڑکی کے چہرے میں بچپن اور سنجیدگی کی عجیب سی آمیزش دیکھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ دوسرا قدم کس طرح اٹھائے۔ وہ لڑکی پھر دکھائی دی۔ اس بار وہ ایک لمبے سے لبادے میں لباس تھی۔ سنہرے گھونگھریالے بال کا اندھنوں پر لہرا رہے تھے۔ اس وقت اُس کا چہرہ غصے اور ندامت کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

”کیا ہے؟“ وہ دروازے میں آکر بولی۔

”محترمہ..... مجھے افسوس ہے لیکن شاید آپ کسی اور کا انتظار کر رہی تھیں۔“ انور نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں ہاں ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا کام بتائیے؟“

”مجھے رضوان صاحب سے ملنا ہے۔“

”وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔“

”کب آئیں گے؟“

”ایک ہفتے کے بعد۔“ لڑکی نے کہا۔

”اوہ تو شاید اسی لئے آپ اس وقت ارشاد کا انتظار کر رہی تھیں؟“ انور نے مسکرا کر کہا۔

آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

لڑکی سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

”آپ..... آپ“ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

”میں ارشاد کا چھوٹا بھائی ہوں۔“ انور نے کہا۔

”اندر آجائیے۔ اندر آجائیے۔“ وہ بے تابانہ انداز میں بولی۔ انور کمرے میں چلا گیا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر دیا۔

”بیٹھ جائیے۔“ اس نے جلدی سے کہا لیکن پھر چپ ہو گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے اب کیا کہنا چاہیے۔ انور اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً وہ رک رک کر بولی۔ ”دیکھئے میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ اپنے باپ سے کچھ نہ کہئے گا۔ میں ارشاد کو بے حد چاہتی ہوں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔“ وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں ملتھیانہ انداز میں انور کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ تیز آواز میں بولی۔ ”مگر ارشاد تو کہتا تھا اُس کا کوئی بھائی نہیں۔“

”تو اُس کا باپ ہی کہاں ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”باپ نہیں ہے؟“ وہ تقریباً جھل کر بولی۔

”تو تم رضوان کی بیوی نہیں ہو؟“ انور نے بے ساختہ کہا۔

”نہیں..... لیکن کیوں؟“ ہاں..... وہ رک رک کر بولی اور حیرت سے انور کی طرف دیکھنے لگی۔

”میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ارشاد تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔“ انور نے کہا۔

”تم جھوٹے ہو۔ وہ مجھ سے ضرور شادی کرے گا۔ صرف اُن ہیروں کا انتظار ہے جنہیں وہ

ترشوانے کے لئے ایسٹرنڈم بھیج چکا ہے۔“

”اچھا.....!“ انور شرارت آمیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”بھلا اُس کے پاس بغیر ترشوانے

ہوئے ہیرو آئے کہاں سے؟“

”جب تم ضرور اُس کے بھائی ہو۔“ لڑکی قہقہہ لگا کر بولی۔ ”جب اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ

دکن کی ایک.....!“

”اوہ..... اچھا.....!“ انور کی آنکھیں حیرت سی پھیل گئیں کیونکہ یہ اُس کے لئے ایک بالکل

نئی اطلاع تھی۔

”ہی ہی ہی۔“ وہ انور کے سامنے انگلی نچا کر ہنستی ہوئی بولی۔ ”تم ضرور ارشاد کے کوئی بے

تکلف دوست ہو خیر میں تمہیں چائے پلائے بغیر نہ جانے دوں گی۔ لیکن میرے متعلق کمرے
کچھ نہ کہنا۔“

”ارشاد یہاں کب سے نہیں آیا....؟“ انور نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”نہیں بتاتی۔ پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟“ وہ ہچکچاہٹ میں ضد کا مظاہرہ کرتی ہوئی بولے۔

”ارشاد کا ایک بے تکلف دوست....!“

”دیکھو نا.... کیسا پیچھتا....!“ وہ قہقہہ لگا کر بولی پھر دفعتاً سنجیدہ ہو کر سوچنے لگی۔

”ارشاد کل آیا تھا....؟“ انور نے پوچھا۔

”نہیں وہ چار دن سے نہیں آیا۔ میں آج صبح سے اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔ اُس نے کمرے

آنے کا وعدہ کیا تھا بہت مشغول رہتا ہے۔ اُنک میں اُسے کتنا چاہتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک....!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”لیکن تم ہو کون۔ تمہارا نام کیا ہے؟“

”زبیدہ.... میں ایک لڑکی ہوں۔“

”تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟“

”لڑکی اُداس ہو گئی۔“

”میرے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ رضوان اور ارشاد مجھے میرے ظالم چچا کے پنے

سے رہائی دلوا کر یہاں لائے ہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ وہ تمہیں بھگالائے ہیں۔“ انور نے کہا۔

”میں اپنی خوشی سے آئی ہوں۔“ وہ ترش روئی سے بولی۔

”تمہارا چچا کہاں رہتا ہے اور اُس کا کیا نام ہے؟“

”میں یہ ہرگز نہ بتاؤں گی۔“

”تمہاری مرضی۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم ایک زبردست دھوکے میں ہو۔“

”جاؤ جاؤ تم مجھے بہکانے آئے ہو۔“ وہ بگڑ کر بولی۔

”بے وقوف لڑکی! ارشاد شادی شدہ ہے آج سے پانچ سال قبل اُس کی شادی ہو چکی ہے۔“

تم سے ہرگز شادی نہ کرے گا۔ اُس نے شاید تمہیں یہ بھلا دے رکھا ہے کہ وہ اپنے باپ کے
خوف سے تم سے شادی نہیں کر رہا ہے۔ اُس کا باپ نہ جانے کب کا مر چکا ہے۔ اُس نے تمہیں

یہاں رضوان کی بیوی کی حیثیت سے رکھ چھوڑا ہے تاکہ پڑوسیوں کو کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ دنیا
کی آنکھوں میں دھول جھونک کر عیاشی کرتا رہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

”تم شیطان ہو۔ مجھے درغلانے آئے ہو۔“ لڑکی چیخ کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”شیطان۔“ انور نے کہا اور باہر نکل گیا۔

واپسی میں اُسے رہ رہ کر ساجدہ پر تاؤ آرہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس طرح ساجدہ اپنے شوہر

کے چال چلن کی تصدیق کر رہی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔ کاش رشیدہ نے وہ روپے ابھی خرچ نہ کیے

ہوں۔ وہ انہیں ساجدہ کے منہ پر مار دے گا اور اُسے اپنی اس تفتیش کے متعلق کچھ نہ بتائے گا۔

قتل اور خود کشی

دو دن رہے تھے۔ انور نے رشیدہ کو آفس سے ساتھ لیا اور ایک ریسٹوران میں چلا گیا۔

”ہم زیادہ شاندار لنگ نہ کھائیں گے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”میں بھی یہی کہنے والا تھا۔“ انور بولا۔ ”اس ریسٹوران میں اسی لئے آیا ہوں کہ یہاں اُدھار

مل جاتا ہے۔“

”اس کی ضرورت نہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”میں نے کچھ ایڈوانس لے لیا ہے۔ تمہیں ساجدہ

کے روپے واپس کرنے پڑیں گے۔“

”میں نے بھی یہی طے کر لیا ہے۔“ انور نے کہا۔

”ارے یہ کیا۔ آج شاید تم نے پہلی بار میرا کہا مانا ہے۔“ رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

”ساجدہ نے مجھے احق بنانے کی کوشش کی تھی۔“ انور بولا۔ ”اُسے شاید اپنے شوہر کے چال

چلن پر شبہ ہو گیا تھا۔ اس کی تصدیق کے لئے اُس نے یہ طریقہ نکالا۔“

اس کے بعد انور نے پوری داستان دہرا دی۔

”میں پہلے ہی سے مشکوک تھی۔“

تکلیف نہ دیتا۔“

”دیکھو یہ میری آخری وارننگ ہے۔“ آصف نے ترش روئی سے کہا۔

”دوسری آخری وارننگ کب دے رہے ہو؟“ انور نے سنجیدگی سے پوچھا اور رشیدہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

آصف جھلا گیا۔ وہ تیز نظروں سے انور کو گھور رہا تھا اور انور رشیدہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا دوسری طرف منہ پھیر کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”جانتے ہو کسی کو دھمکی دینے پر کون سی فرد جرم عائد ہوتی ہے؟“ آصف نے کہا۔

”ہاں ہاں اگر دھمکی کسی جوان لڑکی کو دی جاتی ہے تو اُس کے والدین اُس کی شادی کا بندوبست کر دیتے ہیں فرض کرو لڑکی قطب شمالی میں ہے اور لڑکا قطب جنوبی میں اور تم خط استواء پر کھڑے ہو کر دونوں کو دھمکی دو تو حکومت تمہارا بندوبست کر کے تمہیں آگرہ یا بریلی پہنچا دے گی۔“

”خیر دیکھوں گا۔“ آصف غصے میں جانے کے لئے مڑا۔

”دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں وعلیکم السلام۔“ انور نے کہا اور میز پر لگے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”واقعی تم سے بڑی طرح جل گیا ہے۔“ رشیدہ آصف کے چلے جانے کے بعد بولی۔ ”اگر موقع مل گیا تو پچھاننے سے باز نہ آئے گا۔“

”اس کے لئے کم از کم اُسے ایک درجن اندوہناک حادثات کی اطلاعات سننی پڑیں گی۔“ انور نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ پھر آفس چلے گئے۔ انور وہاں کل کے شمارے کے لئے جاسوسی ناول کی قسط لکھتا رہا۔ تقریباً پانچ بجے وہ واپس گھر آگئے۔ انور نے پھر کتابیں الٹی پلٹنی شروع کر دیں۔

”میں کہتی ہوں تمہارا دماغ خراب ہو جائے گا ہر وقت کتابیں۔“ رشیدہ جھلا کر بولی۔

”تو وہ خراب کب نہیں ہے۔“ انور نے کہا۔ ”مگر تم نہ جانے اس وقت اتنی حسین کیوں لگ رہی ہو۔“

”سگریٹ ختم ہو گئے ہوں گے؟“ رشیدہ منہ چڑھا کر بولی۔ ”میں تمہیں اسی وقت حسین لگتی

”شعبہ تو مجھے بھی ہوا تھا۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن میں ساجدہ کو اس کے متعلق ایک لفظ بجز بتاؤں گا۔ آج کی دوڑ دوپٹے مجھے کچھ مہنگی نہیں پڑی۔ اب میں ارشاد سے کافی رقم اینٹھ سکوں اُس نے غریبوں کا گلا کاٹ کر جو دولت اکٹھا کی ہے اُس میں اس غریب کا بھی کچھ حصہ ہونا چاہیے اور ہاں بھئی ٹیلی فون کا لائسنس بھی تجدید کرانا ہے اور وہ دوسروں کے تمہارے لئے ایک سائونڈ اور بھی بہت کچھ۔“

”تو تم اُسے بلیک میل کرو گے؟“

”قطعاً.....!“

”اور وہ بے چاری لڑکی.....؟“

”جب میں ارشاد سے مطلوبہ رقم وصول کر لوں گا تو رضوان کو اُس سے شادی کرنی پڑے گی۔“

”بھلا وہ کیوں کرنے لگا۔“

”نہیں کرے گا تو پھر اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔“ انور نے کہا اور ہیرے کو لٹچ کا آرڈر دیا۔

رشیدہ کچھ کہنے ہی جا رہی تھی کہ ایک معمر اور وجیہ آدمی ریسٹوران میں داخل ہوا۔

”اوہ تم یہاں ہو۔ میں تمہارے آفس گیا تھا۔“ اُس نے انور سے کہا۔

”لیکن انسپکٹر آصف میں تمہیں لٹچ کے لئے مدعو نہ کروں گا کیونکہ فنڈ کم ہے۔“ انور نے کہا۔

”جہنم میں گیا لٹچ....“ انسپکٹر آصف جھنجھلا کر بولا۔ ”تم نے پھر ہاتھ پیر نکالنے شروع کر دیئے ہیں۔“

”تم بوڑھے ہونے کو آئے مگر بات کرنے کا طریقہ نہ آیا۔“ انور نے لاپرواہی سے کہا۔ ”خیر بیٹھو میں تمہیں ایک کپ چائے پلا سکتا ہوں۔“

”ہائی سر کل ٹائٹ کلب کے منیجر نے تمہاری شکایت کی ہے۔ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے؟“

آصف نے پوچھا۔

”انٹے سپلائی کرنے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔ ”منیجر بھی عجیب احق ہے اگر دو چا

انٹے گندے نکل گئے تو بھلا محکمہ سرانغ رسانی والوں سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی، خیر

میں اُسے سمجھوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے مرغیاں وہاں سے ہٹا دی ہیں۔ ورنہ وہ تمہیں کبھی

ہوں، جب تمہاری جیب میں پیسے نہیں ہوتے۔“

”کیا کہہ۔ میری جیب میں پیسے نہیں؟“ انور چونک کر بولا۔ ”میں نے ساجدہ کو روپے والے پر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔“

”وہ تو تمہیں واپس ہی کرنے ہوں گے۔“ رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

”پھر تم نے مجھ پر حکومت جتنی شروع کر دی۔“ انور اٹھتا ہوا بولا اور رشیدہ کا کان پکڑا اُسے کمرے میں سے باہر نکال دیا۔

”میں اب تمہارے کمرے میں تھوکنے بھی نہ آؤں گی۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

”اچھی بات ہے مت آنا۔ کمرے میں تھوکنے سے گندگی پھیلتی ہے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ آرام کرسی میں دھنس کر ایک کتاب میں ڈوب گیا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، انور نے بیٹھے ہی بیٹھے ریسپونڈ اٹھا کر کان سے لگایا۔

”ہیلو.... کون ساجدہ.... میں تمہیں فون کرنے والا تھا.... کیا؟“ انور یک بیک سید ہو کر بیٹھ گیا۔ ”خود کشی.... کس نے.... ارشاد نے.... کہاں.... اسے.... اچھا.... اچھا میں

تیار ہوں.... بہت اچھا.... میں انتظار کر رہا ہوں۔“ انور نے ریسپونڈ رکھ دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹپکنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ تیزی سے رشیدہ کے فلیٹ میں داخل ہوا۔

”کیوں؟ کیا بات؟“ رشیدہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

”تمہارے کمرے میں تھوکنے آیا ہوں۔“ انور نے کہتے ہوئے فرش پر تھوک دیا۔

”اے ابھی ابھی میں نے کمرے کی صفائی کی تھی۔“ رشیدہ بگڑ کر بولی۔

”کوئی بات نہیں۔“ انور جلدی سے بولا۔ ”سنو ایک کام تمہیں فوراً کرنا ہے۔“

”دوڑ کر تمہارے لئے سگریٹ لیتی آؤں.... یہی نا.... میں ہر گز نہیں جاؤں گی۔“

”سنو تو سہی۔“ انور نے کہا۔ ”تمہیں اُس لڑکی زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹانا ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”اے ابھی ابھی ساجدہ نے فون پر مجھے مطلع کیا ہے کہ ارشاد نے تار جام کے علاقے میں خودکشی کر لی ہے۔ وہاں کے کو تو ابی انچارج نے تار کے ذریعے مطلع کیا ہے اور لاش کی شناخت کے

اُسے بلایا ہے۔ ساجدہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ وہ آ رہی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی جا کر زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹا دو۔“

”ہنا کر کہاں لے جاؤں گی؟“

”آف فوہ اتنی ذہین ہو کر تم مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو۔ کسی گم نام سے ہوٹل میں ٹھہرا دینا اور تاکید کر دینا کہ تمہاری اجازت کے بغیر ہوٹل سے باہر نہ نکلے۔“

”لیکن تم اُسے وہاں سے ہٹا کیوں رہے ہو؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”پھر بتاؤں گا۔ جلدی کرو۔ سعید منزل دوسری منزل، بیگم رضوان۔ اُسے سمجھا دینا کہ وہ خطرے میں ہے۔ ارشاد کی خود کشی کے متعلق بتا دینا اور کہہ دینا کہ اُس کا وہاں سے ہٹ جانا ہی

بہتر ہے۔ ورنہ خواہ خواہ پولیس اُسے پریشان کرے گی۔ اچھا اب جاؤ۔ موٹر سائیکل لے لو۔“

”اور تم ساجدہ کے ساتھ تار جام جاؤ گے؟“

”ہاں بھی!“ انور نے کہا۔ ”اب کیس ذرا دلچسپ ہو گیا ہے۔ اسلئے ٹالنے کو دل نہیں چاہتا۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔“

”نہیں جو میں کہہ رہا ہوں تم وہی کرو گی۔“ انور تیز لہجے میں بولا۔

رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ انور اپنے فلیٹ میں لوٹ آیا۔ تھوڑی دیر بعد سڑک پر ہارن کی آواز سنائی دی۔ انور نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا نیچے ساجدہ اپنی کار کی

کھڑکی سے سر نکالے اوپر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اوپر کوٹ اٹھا کر کاندھے پر ڈالا فلیٹ ہیٹ سر پر رکھی اور ٹائی کی گرہ ٹھیک کئے بغیر نیچے اتر گیا۔

”آگے ہی آ جاؤ۔“ ساجدہ نے مضطرب آواز میں کہا۔ ”میری حالت ایسی نہیں کہ خود کار ڈرائیو کر سکوں۔“

انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک اچھٹی ہوئی نظر ساجدہ کے چہرے پر ڈال کر کار اشارت کر دی۔ ساجدہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں سوچ آئی تھیں لیکن اُس کے ماتھے

کی پرتمکنت سلوٹیں اس حال میں بھی قائم تھیں۔

تار جام شہر سے ساٹھ میل دوری پر ایک صنعتی علاقہ تھا۔ یہاں لوہے اور کانچ کے کئی کارخانے تھے۔ کوئلہ کی دو ایک چھوٹی موٹی کانیں بھی تھیں۔ انور نے تقریباً دس بارہ میل کا

فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ ساجدہ بھی کچھ نہ بولی۔ دفعتاً انور بولا۔

”تار جام میں ارشاد کی موجودگی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“

”بہی چیز میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔“ ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”تار جام سے اُن کا کوئی تجارتی تعلق بھی نہیں تھا۔“

”رضوان صدیقی کو جانتی ہو؟“ انور نے پوچھا۔

”ہاں.... کیوں؟“ ساجدہ چونک کر بولی۔

”یونہی پوچھ رہا ہوں۔“

”وہ ارشاد کا جگر کی دوست ہے۔“

”اُس کے بیوی بچے کہاں ہیں؟“

”ابھی اُس کی شادی نہیں ہوئی۔“

”کہاں رہتا ہے؟“

”دولت گنج میں....!“

”تم کبھی اُس کے یہاں گئی ہو؟“

”نہیں کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہ اکثر ہمارے گھر آتا رہتا ہے۔“

”کیا وہ بھی ارشاد کا ساجھی دار تھا؟“

”نہیں.... اُس کا کاروبار الگ ہے۔“

”میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراؤں گا۔“ انور نے کہا۔ ”اس دوران میں ارشاد کی مالی حالت

کیسی تھی؟“

ساجدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے ایک بار انور کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ماتھے

سلوٹیں چہرے پر پھیلتی ہوئی غم آلود نرمابٹ کی لہروں میں بہہ گئیں۔

”اب چھپانے سے کیا فائدہ۔“ وہ آہستہ سے بولی۔ ”ارشاد قریب قریب دیوالیہ ہو چکا تھا۔“

”اور اسی لئے وہ اپنی یادداشت بھی کھو بیٹھا تھا۔“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔

”انور....!“ ساجدہ نے پُر احتجاج لہجے میں کہا اور کھڑکی کے باہر پھیلی ہوئی تاریکی

نظریں گاڑ دیں۔

”اس خود کشی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“ انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”خیال....!“ ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”اس کے علاوہ اب اور کوئی خیال میرے

ذہن میں نہیں کہ ارشاد مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔“

”خیر یہ خیال تمہارے لئے کوئی نیا نہیں۔“ انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔

”انور تم ظالم ہو۔“ ساجدہ بے ساختہ چیخی۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی تبدیلی بھی نہ پیدا ہوئی۔

”کیا کسی ہیرے کی کان میں بھی اُس کا کوئی حصہ تھا؟“ تھوڑی دیر بعد انور نے پوچھا۔

”ہیرے کی کان؟“ ساجدہ چونک کر بولی۔ ”نہیں تو۔ مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔“

”تمہیں پورا یقین ہے کہ اُس کا تعلق کسی دوسری عورت سے نہیں تھا؟“

”آخر ان سب فضول باتوں سے کیا فائدہ؟“ ساجدہ جھلا کر بولی۔ ”ایک مرے ہوئے آدمی

پر کچھ اچھا کر تمہیں کیا مل جائے گا؟“

”میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔“

”نہیں ارشاد ایسا آدمی نہیں تھا۔“

انور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔ ساجدہ نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے۔ دور

اندھیرے میں تار جام کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ انور نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

اور پھر اُن کی کار تار جام کی کوتوالی کے سامنے رک گئی۔ انور اور ساجدہ اتر کر اندر آ گئے۔

کوتوالی انچارج موجود نہیں تھا۔ ایک سب انسپکٹر نے انہیں بتایا کہ کوتوالی انچارج ابھی تک جائے

واردات سے واپس نہیں آیا۔ لاش وہیں ہے۔

”میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔“ سب انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ ”مجھے ہدایت کر دی گئی تھی

جب بھی آپ لوگ پہنچیں آپ کو جائے واردات پر پہنچا دیا جائے۔“

”کتنی دور چلنا ہو گا۔“ انور نے پوچھا۔

”تقریباً چار میل، دیپ نگر میں، یہ حادثہ وہیں ہیرے کی کان میں ہوا ہے۔“ سب انسپکٹر بولا۔

”ہیرے کی کان میں؟“ انور چونک کر بولا۔ ”لیکن اس طرف تو کوئی بھی سے کی کان

نہیں تھی۔“

”چھ ماہ قبل یہاں کھدائی کا کام شروع ہوا ہے۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔ ”ارشاد صاحب کے ساتھیوں نے ٹھیکہ لیا تھا۔“

انور نے ساجدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔ خود ساجدہ بھی حیرت زدہ نظر آ رہی تھی لیکن بولی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ کار میں بیٹھ کر دیپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انور کا ذہن ہیر کی کان میں الجھا ہوا تھا۔ ارشاد نے زبیدہ سے تو ہیرے کی کان کا تذکرہ کیا تھا لیکن ساجدہ کے متعلق کیوں نہیں بتایا۔ دوسری چیز اس سے بھی زیادہ الجھن پیدا کرنے والی تھی۔ وہ یہ کہ ایسے علاقے میں اچانک ہیرے کی کان کی دریافت جس کے متعلق کبھی اس کا خیال بھی نہ ہو سکے۔ اب تک تاریکی میں کیوں پڑی رہی۔ اس کی تو خاصی شہرت ہونی چاہئے تھی۔

راستہ خراب ہونے کی وجہ سے وہ دیپ نگر تقریباً آدھے گھنٹے میں پہنچے۔ یہاں دو چار چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے جو تقریباً تاریک تھے۔ صرف ایک بنگلے کی کھڑکیوں میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ سب انسپکٹر نے اسی بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔

”اودہ غالباً آپ بیگم ارشاد ہیں۔“ کو توالی انچارج انہیں آتا دیکھ کر بولا۔

”جی ہاں.....!“ ساجدہ غم آلود انداز میں بولی۔

”واقعی یہ ایک افسوس ناک حادثہ ہے۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔ ”چار بجے مجھے اطلاع ملی

ارشاد صاحب نے خود کشی کر لی ہے۔“ وہ پھر انور کی طرف مڑ کر بولا۔

”آپ کی تعریف.....؟“

”انور سعید، روزنامہ اشار کا کرائم رپورٹر.....!“ انور نے کہا۔

”اودہ.....!“

”میں انہیں اپنے ساتھ لائی ہوں۔“ ساجدہ نے کہا۔

”دھار سنگھ کا بیان ہے کہ ارشاد صاحب تین بجے اپنے ہاتھ میں ایک دو تالی بندوق لئے کے سامنے بیٹھے تھے۔ دھار سنگھ سمجھا کہ وہ شاید شکار کھیلنے جا رہے ہیں۔ پھر سارے تین بجے نے دو فائروں کی آوازیں سنیں اور بھاگ کر اس بنگلے میں آیا اور پھر پچھلے کمرے میں اکر ارشاد صاحب کی لاش دیکھی۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر دو فائر کئے تھے۔“

”بھلا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر فائر کئے تھے؟“ انور نے پوچھا۔

”انور صاحب میں نے آپ کی تعریف سنی ہے۔“ کو توالی انچارج طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”چلئے میں آپ کو سمجھاؤں۔“

وہ عقبی کمرے کی طرف مڑا..... انور اور ساجدہ اس کے ساتھ ہو گئے۔

لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی چارپائی پر پڑی تھی۔ کو توالی انچارج نے منہ پر سے چادر سرکاری اور ساجدہ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ انور کے بازوؤں میں آ رہی۔ چہرے پر چہرے لگنے کی وجہ سے گوشت کے پر خچے اڑ گئے تھے۔ ساجدہ بے ہوش ہو گئی لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں اور اس طرح پھٹ کر رہ گئیں جیسے اپنے حلقوں میں جم گئی ہوں۔ کو توالی انچارج نے پوری لاش پر سے چادر ہٹا دی اور سوالیہ نگاہوں سے ساجدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”ارشاد تم نے یہ کیا کیا۔“ ساجدہ پھوٹ پڑی۔ انور اسے سہارا دیتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا

اور تھوڑی دیر بعد ساجدہ کو روتا چھوڑ کر لاش والے کمرے میں لوٹ گیا۔

”انور صاحب۔“ کو توالی انچارج بولا۔ ”ارشاد نے کھڑے ہو کر اپنے اوپر فائر کیے ہیں۔ یہ دیکھنے ان کا ایک جو تا اور موڑہ اتر پڑا ہے۔ انہوں نے بندوق کی لیبلی میں انگوٹھا چھسا کر اپنے اوپر فائر کئے۔“

”یہ تو بالکل صاف ہے۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ فائر کھڑے ہو کر کیے گئے؟“

”اودہ..... اودہ آئیے۔ یہاں دیوار میں دیکھئے، کچھ چہرے یہاں دیوار میں گھس گئے ہیں۔“

اس جگہ کی اونچائی فرش سے تقریباً چھ سات فٹ ہے اگر انہوں نے بیٹھ کر بندوق چلائی ہوتی تو

تالی کا زاویہ اتنی اونچائی تک چہرے نہ بھیج سکتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ انور نے کہا اور جھک کر فرش پر کچھ دیکھنے لگا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر

سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ پُر معنی انداز میں کو توالی انچارج کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”بہر حال خود کشی ثابت ہے۔“ کو توالی انچارج خود اعتمادی کے لہجے میں بولا۔

”قطعاً ثابت ہے“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”ارشاد نے ایک باریٹ کو خود کشی کی اور ایک بار

کھڑے ہو کر۔“

”کیا مطلب....؟“

”یہاں آئیے.... کیا آپ نے فرش نہیں دیکھا۔ دیکھئے یہاں بھی کچھ چھرے گھے،
ہین اور بارود کے دھوئیں کا ہلکا سا دھبہ بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فائر ہو۔
حالت میں بندوق کے دبائے کا فاصلہ زمین سے صرف ایک یا دو بالشت رہا ہو گا۔“
”اوہ....!“ کو تو الی انچارج پٹشایا۔

”لیکن یہ بتانا دشوار ہے۔“ انور مخصوص طنز یہ لہجے میں بولا۔ ”کہ پہلے اُس نے کھڑے،
خود کشی کی یا لٹ کر۔“

”تو پھر اسے کیا سمجھا جائے؟“ کو تو الی انچارج بڑبڑایا۔

”قتل صریحی قتل....!“ انور بولا۔ ”ممکن ہے وہ بھری ہوئی بندوق پر ٹھوڑی ٹیکے کھڑے
خیال میں مستغرق رہا ہو اور کسی نے لیلی دبا دی اور اس کے گر جانے پر دوسرا فائر کر دیا ہو لیکن
کام کسی ایسے ہی شخص کا ہو سکتا ہے جسکے متعلق خود ارشاد بھی یہ شبہ نہ کر سکتا رہا ہو کہ وہ کبھی
پر قاتلانہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔ یہ دھارا سنگھ کون ہے جس نے خود کشی کی اطلاع آپ تک پہنچائی
”دھارا سنگھ بہرے کی کان کا ایک سا جھبی دار ہے۔“

”وہ ہے کہاں؟“

”اپنے بنگلے میں.... اس حادثے کی وجہ سے اُس کی حالت ٹھیک نہیں۔ بظاہر اچھے ہاتھ
کا ہے مگر ہے کمزور دل آدمی۔“

”درا اُسے بلوایئے؟“ انور نے کہا۔

ایک مشتبه آدمی

”یہ تو معاملہ ہی الٹ گیا۔“ کو تو الی انچارج نے کہا۔

”گھبراہٹ نہیں میں قتل والی دریافت آپ ہی کے سر تھوپوں گا۔“ انور نے کہا۔

”یعنی....؟“

”اپنے اخبار میں آپ کے کارنامے بڑھا چڑھا کر لکھوں گا۔“

”ارے نہیں صاحب مجھے سچائی عزیز ہے۔“ کو تو الی انچارج خاکسارانہ انداز میں بولا۔

”گھبراہٹ نہیں.... جھوٹ نہیں بولوں گا۔“

کو تو الی انچارج باہر چلا گیا۔ انور ساجدہ کے پاس چلا آیا۔

”یہ خود کشی نہیں بلکہ کھلا ہوا قتل ہے۔“ انور نے کہا۔

ساجدہ اچھل پڑی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اسے
مختصر الفاظ میں سب کچھ بتا دیا۔ ساجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے
عاری نظر آ رہا تھا۔ ساٹ اور بے جان.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ ہی نہیں رہی ہے۔
اُس کے ذہن میں ایک خلاء ہے۔ جس میں تاریکیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔

تھوڑی دیر بعد کو تو الی انچارج واپس آ گیا۔ اُس کے ساتھ ایک فربہ اندام اور معمر آدمی تھا۔
اُس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی لیکن اس زردی کی تہہ کے نیچے سے بھی طبیعت کی سخت
گیری پھوٹی پڑ رہی تھی۔

”فائر کی دوسری آواز کتنے وقفے کے بعد ہوئی تھی؟“ انور نے اُس سے پوچھا۔

دھارا سنگھ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

”میں آپ ہی سے پوچھ رہا ہوں۔“ انور نے دوبارہ کہا۔

”جی اس کا تو مجھے دھیان نہیں۔“ دھارا سنگھ بولا۔

”دوسرے فائر کے بعد آپ اس بنگلے میں کتنی دیر میں پہنچے تھے؟“

”فوراً ہی۔“

”گویا آپ فائر کی آواز کا انتظار کر رہے تھے؟“

”جی....!“ دھارا سنگھ چونک پڑا۔

”جی ہاں....!“ انور معنی خیز انداز میں بولا۔

”جی نہیں....!“ دھارا سنگھ نے جلدی سے کہا۔

”کیا نہیں؟“

”میں فائر کی آواز سن کر گھبرا گیا تھا۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”خیر.... تم بتا سکتے ہو کہ ارشاد کی خود کشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“ انور نے اُس سے پوچھا۔

”قتل.... قتل.... نہیں نہیں.... قتل کیوں۔“ دھارا سنگھ ہٹلانے لگا۔

”یہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ قتل کیوں؟“

”مم میں.... کیا جانوں.... کلیا.... جنوں....!“

”ہوں....!“ انور ہونٹ بھیج کر کو توالی انچارج کی طرف مڑا۔ ”کیا خیال ہے دروغہ جی۔“

”معاملات کچھ الجھ کر رہ گئے ہیں۔“ کو توالی انچارج اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”پھر کیا ارادہ ہے؟“

”دھارا سنگھ کو کو توالی تک جانا پڑے گا۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔

”کیوں....؟“ دھارا سنگھ نے بے ساختہ پوچھا۔

”اس لئے کہ آپ نے اپنی بندوق ارشاد کو دی تھی اور اسی بندوق سے اُس نے خود کشی

کی۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔

”مگر میں اُس کی نیت سے واقف نہیں تھا۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”کسی کو بندوق دینا ہی غیر قانونی ہے۔“ کو توالی انچارج بولا۔

”تو کیا مجھے حوالات....؟“

”جی ہاں۔“ کو توالی انچارج نے کہا اور انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”آپ مسز ارشاد کو لے کر

کہاں ٹھہریں گے؟“

”کہیں کسی ہوٹل میں۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن کیا ہم لوگوں کی موجودگی یہاں ضروری ہے؟“

”جی ہاں.... میں ارشاد کے متعلق معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔

”اور میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس ہیرے کی کان کے اور کتنے حصے دار ہیں؟“ انور نے کہا۔

”ایک اور ہے۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”وہ کہاں ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”نار جام میں۔“

”اب تک کتنا ہیرا نکل چکا ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”صرف چند ذرے۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”کام کب سے ہو رہا ہے؟“

”جی وہ جب آئے تھے پریشان تھے۔ مجھ سے بیس ہزار روپیہ مانگا۔ بھلا میرے پاس اب

رقم کہاں سے آتی جو کچھ تھا اس کان پر لگا چکا تھا۔“

”وہ یہاں کب آیا تھا؟“

”آج ہی دو بجے۔“

”اس کے ساتھ اور کون تھا؟“

”جی کوئی نہیں۔“

”وہ یہاں کیوں آیا تھا....؟“ انور نے پوچھا۔

”کہہ تو رہا ہوں کہ مجھ سے روپے مانگئے۔“

”بندوق کس کی تھی؟“

”میری ہی۔“

”تو کیا اُس نے کہا تھا کہ وہ شکار کھیلنا چاہتا ہے؟“

”جی ہاں۔“

”اور آپ یہ جانتے ہیں کہ کسی کو اپنی بندوق دینا جرم ہے؟“

”جی ہاں۔ مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی۔“

”اس کے علاوہ بھی آپ نے ایک غلطی کی ہے۔“ انور بولا۔

”جی....؟“ دھارا سنگھ پھر چونکا۔

”آپ نے اُسے بھری ہوئی بندوق دے دی۔“

”بھری ہوئی۔ جی نہیں۔ نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔“

”شکار گاہ یہاں سے کتنی دور ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”دو میل....!“

”تو پھر یہیں سے بندوق بھر لینے کا مطلب نہیں سمجھ میں آتا۔“ انور نے کہا۔

”مطلب.... ارے صاحب انہیں خود کشی یہیں کرنی تھی۔ شکار گاہ جا کر کیا کرتے۔“ دھارا

سنگھ نے کہا۔

”جی یہ خود کشی نہیں بلکہ قتل ہے۔“ انور نے کہا۔

”چھ ماہ سے۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ ابھی تک کاروبار نقصان ہی پر چل رہا ہے؟“

”جی ہاں۔“

”ہیرے کی کان کا ٹھیکہ کس کی تحریک میں لیا گیا تھا؟“

”ارشاد صاحب سب سے بڑے حصے دار تھے۔ انہیں کی تحریک سے ٹھیکہ لیا گیا تھا۔“

”آپ انہیں کب سے جانتے تھے؟“

”آج سے چھ ماہ قبل سیٹھ اطہر نے مجھے اُن سے ملایا تھا۔“

انور کچھ سوچنے لگا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ باہر سناٹا طاری تھا۔ تاریکی کی سیاہ چادر بننے پر محیط تھی۔ ساجدہ بالکل ساکت بیٹھی تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتے ہو گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری وہاں آ کر رکی۔ کو توالی انچارج نے لاش اٹھوا کر اُس پر رکھوا دی اور پھر دھارا سنگھ کو بھی وہاں لایا گیا۔ دھارا سنگھ کے سارے جسم پر کچکی طاری تھی۔

”آگے چل کر بیٹھے۔“ کو توالی انچارج نے اُس سے کہا۔

”تو کیا واقعی؟“

”جی ہاں.... آپ حراست میں ہیں۔“

”مگر.... مگر....!“ وہ ہچکچایا.... کو توالی انچارج نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ لاری اشارت ہو چکی تھی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی سامنے سڑک پر دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ دھارا سنگھ نے پائیدان پر پیر رکھا ہی تھا کہ کسی طرف سے اچانک فائر ہوا۔ دھارا سنگھ چیخ مار کر پہلے توڈرائیور کی سیٹ پر گر اور پھر اچھل کر زمین پر آ رہا۔ وہ ایک تازہ ذرا کیے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ رہا تھا۔

”ادھر.... ادھر....!“ انور ایک طرف تاریکی میں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ پولیس والوں کی، کی روشنیاں اندھیرے کا سینہ چیرنے لگیں۔ انور ایک طرف بے تحاشہ دوڑا جا رہا تھا۔ کو توالی انچارج اور پولیس والے اُس کے پیچھے تھے۔ دور تک اونچی نیچی پہاڑیوں اور کانٹے دار جھاڑیوں۔ سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ تب ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن اُسے کاسراغ نہ ملا آخر وہ بے نیل و مرام واپس لوٹے۔ یہاں ایک دوسرا حادثہ اُن کا

تھا۔ ساجدہ اپنی کار کے پائیدان سے نکلی زمین پر پڑی تھی۔ اُس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ انور بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔ کو توالی انچارج بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

”بے ہوش ہو گئی ہے۔“ انور نے ساجدہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے اُسے کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں رکنا نہ چاہئے۔“ انور نے کو توالی انچارج سے کہا اور پھر وہ دھارا سنگھ کی طرف متوجہ ہوا جو زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ”اُسے بھی اٹھوایئے ختم ہو چکا ہے۔“

دھارا سنگھ کی لاش بھی لاری میں رکھ دی گئی۔

”آپ ادھر کار میں آجائیے....!“ انور نے کو توالی انچارج سے کہا۔ وہ انور کے برابر بیٹھ گیا اور انور نے انجین اشارت کر دیا۔ ان کی کار پولیس لاری کے پیچھے چل پڑی تھی۔

”یہ دوسرا قتل میری وجہ سے ہوا۔“ انور نے کہا۔

”آپ کی وجہ سے کیوں؟“ کو توالی انچارج چونک کر بولا۔

”اگر خود کشی قتل نہ ثابت ہوتی تو دھارا سنگھ شاید زندہ رہتا۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ ارشاد ہی کا قاتل اس کا بھی قاتل ہے؟“

”قطعی....!“ انور نے کہا۔ ”اس دوران میں قاتل ہمارے آس پاس ہی رہا اور جب اُس نے

دیکھا کہ پانسہ پلٹ چکا ہے اور پولیس دھارا سنگھ کو لیے جا رہی ہے تو اُس نے اُسے بھی قتل کر دیا۔“

”کیوں....؟“ کو توالی انچارج نے چونک کر کہا۔

”دھارا سنگھ کی زبان بند کرنے کے لئے۔ وہ ارشاد کے قاتل سے واقف تھا۔“

”اوہ....!“

”لیکن اب اُس کا ملنا محال ہی معلوم ہوتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”یہ کیوں....؟“ کو توالی انچارج نے پوچھا۔

انور نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں کے حلقے تنگ ہو گئے تھے۔

”سیٹھ اطہر کیسا آدمی ہے؟“ انور نے کو توالی انچارج سے پوچھا۔

”قتل....“ سیٹھ اطہر نے چونک کر پوچھا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟“
 ”ارشاد نے خود کشی نہیں کی بلکہ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔“

”ہیں....؟“ سیٹھ اطہر نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”آپ ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟“ انور نے پوچھا۔

”جی....؟“ اطہر نے چونک کر کہا اور انور کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں اُسے عرصے سے جانتا تھا اور اُسے بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن ڈھول کے اندر پول کا علم اس کان میں روپیہ لگا دینے کے بعد ہوا۔“

”تو آپ اُس سے ناراض تھے؟“ کو توالی انچارج نے کہا۔

”جی ہاں، بہت بُری طرح۔“

”کیوں....؟“

”بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، میں نے اُس کی باتوں میں آکر خاصی رقم گنوا دی۔“

”تھوڑا بہت ہیرا نکلا ہے کان سے؟“ کو توالی انچارج نے کہا۔

”صرف چند ذرات لیکن مجھے اس میں شبہ ہے۔ میں ایک بالشت گہرا گڑھا کھود کر اُس میں سے بھی ہیرے کے ذرات برآمد کر سکتا ہوں۔“ سیٹھ اطہر نے کہا۔

”تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ارشاد نے آپ کو دھوکہ دیا تھا....؟“ انور نے کہا۔

”جی ہاں.... میں یہی کہوں گا اور اس کے لئے میرے پاس ثبوت موجود ہے۔“

”کیا....؟“

”اُس کے ساتھ جو انجینئر بھانت بھانت کے آلے لے کر آیا تھا ایک مشہور بد معاش اور بلیک میلر تھا۔“

”اس پر بھی آپ پھنس گئے؟“ انور نے کہا۔

”جی نہیں یہ تو مجھے آج معلوم ہوا ہے۔“ سیٹھ اطہر نے کہا۔

”کیسے....؟“

”آج میں نے ایک اخبار میں اُس کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ دھوکہ دہی کے ایک معاملے میں پکڑا گیا ہے۔“

”میں اُس کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑھا ہے، پولیس اُس کی طرف سے ہمیشہ مشکوک رہتی ہے۔“

”کیوں پولیس مشکوک کیوں رہتی ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”وہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کافی دولت مند ہو گیا۔ بظاہر کوئی ایسا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا جس کی بناء پر اُس کی دولت کو جائز سمجھا جائے۔“
 انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کو توالی پہنچ گئے اور ان دونوں حادثوں کی خبر سارے علاقے میں پھیل گئی۔ ساجدہ ہوش میں ضرور آگئی تھی لیکن اُس کی حالت ابتر تھی۔ انور نے اُسے آرام دہ ہوٹل میں ٹھہرا دیا اور خود کو توالی چلا آیا۔ یہاں کو توالی انچارج سیٹھ اطہر کا انتظار کر رہا تھا جسے اُس نے بلو بھیجا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ اطہر اُس کے دفتر میں داخل ہوا۔ یہ ایک قوی الجشہ اور طویل القامت آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان ہی رہی ہوگی۔ اُس کے لباس اور رکھ رکھاؤ سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک شوقین مزاج آدمی ہے۔ وہ اس طرح مسکراتا ہوا داخل ہوا تھا جیسے اُسے ان حادثات کی اطلاع نہ رہی ہو، قبل اس کے کہ کوئی اُس سے کچھ پوچھتا وہ خود ہی بولا۔

”مجھے ابھی ابھی دوسرے حادثے کی بھی اطلاع ملی ہے میں آنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ آپ کا آدمی پہنچا۔“

”پہلے حادثے کی اطلاع آپ کو تھی؟“ انور نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”اور آپ دیپ نگر نہیں آئے؟“

”میں کیوں جاتا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ارشاد کے لئے اب خود کشی کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔“

”کیوں یہ آپ کیسے جانتے تھے؟“ انور نے پوچھا۔

”وہ بالکل دیوالیہ ہو چکا تھا لیکن مجھے دھارا سنگھ کے مرنے کا افسوس ہے۔ اُس غریب محض میری وجہ سے اس ناشدنی کان میں روپیہ لگایا تھا۔ لیکن اُسے کس نے اور کیوں قتل کر دیا۔“
 ”جس نے ارشاد کو قتل کیا ہے۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔

”شاید آپ اجیت کمار کی بات کر رہے ہیں؟“ انور نے کہا۔

”جی ہاں.... اجیت کمار۔ وہی اُس کے ساتھ انجینئر بن کر آیا تھا اور اُس نے بہتر سے آلات کی مدد سے یہ بات ثابت کی تھی کہ یہاں ہیرے کی کان ہے اور ہم لوگ بڑی خوشی سے روپے لگانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ بہر حال میں اس اطلاع کے بعد شہر جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ مجھے ارشاد کی خود کشی کے بارے میں معلوم ہوا۔ میں اس نتیجے پر جلد ہی پہنچ گیا کہ اجیت کمار کی تصویر شائع ہو جانے کی وجہ سے گھر اکر اُس نے خود کشی کر لی۔ لیکن اب آپ کہتے ہیں کہ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ خیر ایسے آدمیوں کا یہی انجام ہوتا ہے لیکن دھارا سنگھ کے قتل کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔“

”بہر حال آپ کو اُس سے دشمنی تھی؟“ کو توالی انچارج نے کہا۔
”قطعاً.... لیکن اتنی بھی نہیں کہ اُسے قتل کر دیتا۔“ سیٹھ اطہر مسکرا کر بولا۔ یہ مسکراہٹ کچھ عجیب سی تھی۔ جسے کو توالی انچارج مشکوک سمجھے بغیر نہ رہ سکا۔
”دھارا سنگھ تو آپ کا جگر دوست تھا؟“ کو توالی انچارج نے پوچھا۔
”جی ہاں۔“

”ارشاد سے اُس کے کیسے تعلقات تھے؟“

”بڑے نہیں تھے۔“

”ایک بات۔“ انور نے کو توالی انچارج کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اجیت کمار کا راز معلوم ہونے کے بعد فطری طور پر آپ کو شہر جانے کے بجائے دھارا سنگھ کو اس کی اطلاع دینے کے لئے جانا چاہئے تھا۔“

”جی ہاں میں دھارا سنگھ سے ملتا ہوا شہر جاتا۔“ اطہر نے کہا۔ ”اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ ارشاد نے دیپ نگر میں خود کشی کی ہے تو میں سمجھ گیا کہ اُسے بھی یہیں آکر اجیت کمار کی تصویر شائع ہونے کا حال معلوم ہوا اور اُس نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے خود کشی کر لی۔“

”لیکن دھارا سنگھ کو اجیت کمار والے واقعے کی اطلاع نہیں تھی۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔
”ارشاد اُس سے بیس ہزار روپے لینے کے لئے یہاں آیا تھا۔“

”تو پھر اگر دھارا سنگھ خود نہ مار ڈالا جاتا تو میں یہی سمجھتا کہ اُس نے ارشاد کو قتل کیا ہے۔“

ہیرے کی کان

اطہر نے کہا۔ ”آدمی چاہے کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن جب اُس پر اچانک یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ دھوکہ کھا گیا ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے غصے سے پاگل ضرور ہو جاتا ہے۔“

”تو پھر اُس اصول کے تحت تو آپ بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہیں۔“ انور نے کہا۔
”لیکن میں....!“

”آپ نے بے چارے دھارا سنگھ کو بھی اپنے جرم میں شریک کر لیا اور جب یہ دیکھا ہو کہ خود کشی قتل میں تبدیل ہو گئی تو آپ نے اس ڈر سے دھارا سنگھ کو قتل کر دیا ہو کہ کہیں پولیس اُس سے سب کچھ اگلو نہ لے۔“ انور نے کہا۔

اطہر دفعتاً کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کو توالی انچارج اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔
”خیر میں اس کے لئے درجنوں ثبوت مہیا کر سکوں گا کہ آج صبح سے اس وقت تک میں تار جام ہی میں رہا اب مجھے یہاں اور کتنی دیر بیٹھنا پڑے گا؟“

”جس وقت تک آپ کا دل چاہے.... آپ جاسکتے ہیں۔“ کو توالی انچارج نے مسکرا کر کہا۔
”میں نے محض چند معلومات حاصل کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی۔“
”شکریہ....!“ اطہر نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر کمرے سے چلا گیا۔ کو توالی انچارج بھی فوراً ہی اٹھ کر باہر چلا گیا۔

پراسرار ہمدردی

تھوڑی دیر بعد کو توالی انچارج پھر واپس آگیا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور جب وہ چونکا تو اُس نے محسوس کیا کہ کو توالی انچارج اُس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہا ہے۔ انور بھی خواہ مخواہ مسکرانے لگا۔

”مسٹر انور میں آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔“ کو توالی انچارج نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ بیگم ارشاد خصوصیت سے آپ کو اپنے ساتھ کیوں لے آئی ہیں؟“

”آپ کا یہ سوال ذہانت سے بھرپور ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اس خصوصیت کی سب سے

بڑی وجہ یہ ہے کہ بیگم ارشاد مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔“

”یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔ ”اور بہتوں کو بھی وہ اچھی طرح جانتی ہوں گی؟“

”جانتی ہوں گی اور بھلا اس میں مجھے اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔

”بات یہ نہیں مسٹر انور، اُن کے اس رویے پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔“

کو توالی انچارج بولا۔

”میں غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چلئے۔“ انور شانے اچھال کر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ بیگم ارشاد کو پہلے ہی سے اس خود کشی پر شبہ تھا، اسلئے وہ آپ کو ساتھ لائیں۔“

”ممکن ہے یہی بات رسی ہو لیکن انہوں نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں کہا۔“ انور

سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

”اور اگر ایسا ہے تو انہیں اپنے شبہ کی وجہ بتانی پڑے گی۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔

”ضرور بتانی پڑے گی۔“ انور نے اُسی کے لہجے کی نقل کی۔ کو توالی انچارج بھنا کر اُسے

گھورنے لگا۔

”غالباً اب وہ ٹھیک ہوں گی۔“ کو توالی انچارج بولا۔ ”میں اُن سے اس کے بارے میں کچھ

گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ سیٹھ اطہر کی گفتگو سے ارشاد کی پوزیشن کچھ خراب ہو گئی ہے۔“

”کیوں پوزیشن کیوں خراب ہو گئی؟“

”وہ اجیت کمار والا معاملہ....!“ کو توالی انچارج نے کہا۔

”اور آپ نے اس پر یقین کر لیا....؟“

”یقین نہ کرنے کی وجہ؟“

”اچھا تو اس پر بھی یقین کر لیجئے کہ ارشاد پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔“

”کمال کیا آپ نے۔“ کو توالی انچارج ہنس کر بولا۔

”اچھا اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟“

”ارے بھی میں ارشاد کو اچھی طرح جانتا تھا۔“ کو توالی انچارج ہنستا ہوا بولا۔

”تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ارشاد کا وجود تھا۔ لیکن اجیت کمار والے واقعے کے متعلق اطہ

کے علاوہ اور دوسرا گواہ کون ہے؟“

”اوہ....!“ کو توالی انچارج انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”دھاراسنگھ.... دھاراسنگھ.... نے

میں اُسے انجینئر کے روپ میں ضرور دیکھا ہوگا۔“

”لیکن وہ بے چارہ اس بیان کی تصدیق کرنے کے لئے عدالت میں نہ حاضر ہو سکے گا۔“ انور

طنز یہ انداز میں بولا۔

کو توالی انچارج خاموش ہو گیا۔ انور نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا

اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

”بہر حال مجھے بیگم ارشاد سے گفتگو کرنی ہے۔“ کو توالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔

انور اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک پستہ قد اور دوہرے جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ سیاہ سوٹ

میں لباس تھا۔ اُس کے چہرے کی تھکن اور کپڑوں پر پڑی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی

لباسفر کر کے آ رہا ہے۔ اُس کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی مگر قبل از وقت سر کے بال گر جانے کی وجہ سے

معر معلوم ہو رہا تھا۔

”میں.... میں.... ارشاد مرحوم کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔“ وہ دروازے پر ٹھٹک کر بولا۔

”آپ کون ہیں؟“ کو توالی انچارج نے پوچھا۔

”میرا نام رضوان ہے۔ ارشاد میرا دوست تھا۔ اُس نے مجھ سے بیس ہزار روپے مانگے تھے

اور لکھا تھا کہ وہ آج ہی کے دن تار جام میں ملے گا۔ پہلے تو میں نے اُسے لکھ دیا تھا کہ میں انتظام

نہیں کر سکتا لیکن پھر اتفاق سے روپے دستیاب ہو گئے اور میں سیدھا یہیں چلا آیا مگر یہاں آکر

معلوم ہوا....!“

”بیٹھ جائیے۔“ کو توالی انچارج کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”آپ کہاں رہتے ہیں؟“

”اُسی شہر میں جہاں ارشاد رہتا تھا۔ لیکن میں ایک کاروباری ضرورت سے رام گڑھ چلا گیا

تھا۔ وہیں مجھے ارشاد کا خط ملا.... اور کچھ.... سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔“

انور بڑے غور سے رضوان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

”مسٹر انور آپ انہیں پہچانتے ہیں؟“ کو توالی انچارج نے پوچھا۔

”نہیں.... میں نے اس سے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔“ انور نے جواب دیا۔

”تو آپ وہ میں ہزار روپے لائے ہیں؟“ کو توالی انچارج نے کہا۔
 ”جی ہاں۔۔۔!“ رضوان نے کوٹ کی جیب سے سو سو روپے کے نوٹوں کے کئی بٹلر نکالے۔

”بیگم ارشاد آپ کو پہچانتی ہیں؟“

”جی ہاں۔۔۔ اچھی طرح۔“ رضوان بولا۔

”اچھا تو پھر ہم لوگ وہیں چل رہے ہیں۔“ کو توالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔ ”وہ رائل ہوٹل میں ہیں۔“

”اوہ ضرور چلے۔۔۔ ضرور چلے۔ بیچاری ساجدہ۔“ رضوان اندوہناک آواز میں بولا۔

وہ لوگ کار میں بیٹھ کر رائل ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ انور اس دوران میں کچھ نہیں بولا۔ وہ بہت دلچسپی سے رضوان کا جائزہ لے رہا تھا۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ رائل ہوٹل پہنچ کر وہ ساجدہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ ساجدہ ایک کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ رضوان دیکھ کر اُس کے ہونٹ کانپے، نتھنے پھڑکے اور آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا۔

”یہ آخر ہوا کیا؟“ رضوان بے ساختہ بولا۔

ساجدہ منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ یہ تینوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ آہستہ آہستہ ساجدہ کی سسکیاں کم ہوتی جا رہی تھیں اور پھر وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

”اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہو تو میں کچھ پوچھنے کی جرأت کروں۔“ کو توالی انچارج نے کہا۔
 ”پوچھئے۔۔۔!“ ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیا آپ کو شہر سے چلتے وقت اس قسم کا شبہ تھا کہ ارشاد صاحب نے خود کشی نہیں کی؟“
 ”قطعی نہیں۔ کچھ نہیں۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ میں بیوہ ہو گئی۔“

بس۔“ ساجدہ پھر رو پڑی۔

”مجھے افسوس ہے کہ میرے اس سوال سے آپ کو تکلیف پہنچی۔“ کو توالی انچارج جلد سے بولا۔

”نہیں۔۔۔ آپ اور جو کچھ پوچھنا چاہیں۔۔۔ میں۔۔۔!“

”کیا آپ کو معلوم تھا کہ انہوں نے رضوان صاحب سے میں ہزار روپے مانگے تھے؟“

”جی نہیں مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔“

”اچھا آپ انور صاحب کو اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں؟“ کو توالی انچارج نے پوچھا۔

ساجدہ انور کی طرف دیکھنے لگی جو اپنے گرد و پیش سے بے خبر خیالات میں ڈوبا ہوا سگریٹ کے کش لے رہا تھا اور ساجدہ نے اپنے شوہر کی یادداشت کھو بیٹھنے کی داستان دہرا دی اور اس سلسلے میں انور سے مدد کی طالب ہونے کا حال بھی بتایا۔

”تو آپ نے اس مسئلے میں پولیس کی مدد کیوں نہ لی؟“ کو توالی انچارج نے پوچھا۔

”اس طرح بات بھیجی اور تجارت کے ساجھی داروں کو مال گول کرنے کا موقع مل جاتا۔“
 ساجدہ نے کہا۔

”مگر حالات تو کچھ ایسے پیش آتے ہیں جن کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ارشاد صاحب کی یادداشت پر کوئی غیر معمولی اثر نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو انہیں ہیرے کی کان بھی نہ یاد رہتی۔ وہ میں ہزار روپے بھی نہ یاد رہتے جن کی انہیں ضرورت تھی کیوں انور صاحب؟“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ انور نے کہا اور سگریٹ کا کلکرافرش پر گرا کر پیر سے مسل دیا۔
 ”کیا آپ ایسے آدمی یا آدمیوں کے نام بتا سکتی ہیں جو اُن سے دشمنی رکھتے ہوں۔“ کو توالی انچارج نے ساجدہ سے پوچھا۔

”مشکل ہے۔ ہمیں اُنکے دوستوں کے متعلق کچھ جانتی ہوں اور نہ دشمنوں کے متعلق۔“
 ”رضوان صاحب سے اُن کے کچھ تعلقات تھے؟“
 ”اچھے تھے۔“

اس کے بعد کو توالی انچارج کچھ اور باتیں بھی پوچھتا رہا اور انور اٹھ کر نیچے ہال میں چلا گیا۔ وہ ابھی تک خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس نے کافی کا آرڈر دیا اور بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اُس نے کافی کے کئی کپ پئے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ رضوان آگیا۔ انور نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ رضوان کرسی گھسیٹ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔“ رضوان آہستہ سے بولا۔

”وہی جو ایسے معاملات میں ہوتا آیا ہے۔“ انور نے رضوان کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”بات دراصل یہ ہے مسٹر انور میں نے جو کچھ بھی کیا دوستی نبھانے کے لئے کیا۔“
 ”جہنم میں گئی ایسی دوستی۔“ انور منہ بنا کر بولا۔ ”اس کے لئے تم نے ایک معصوم لڑکی کی
 زندگی برباد کر دی۔۔۔ لیکن لا حول ولا۔۔۔ میں بھی تمہارے ہی دماغ سے سوچنے لگا۔ ممکن ہے وہ
 ارشاد کی موجودگی میں تمہارے ہتھے نہ چڑھتی رہی ہو۔ اس لئے تم نے ارشاد ہی کو راستے سے ہٹا دیا
 اور غریب دھارا سنگھ تو مفت میں مارا گیا۔“

”مسٹر انور۔۔۔!“ رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آپ خواہ مخواہ مجھے پھانسنے کی
 کوشش کر رہے ہیں۔“

”جی اگر خواہ مخواہ پھانسنے کا ارادہ ہو تا تو میں ساجدہ کا ذکر اسی وقت چھیڑ دیتا جب تم کو توالی
 میں آئے تھے لیکن میں ساجدہ والے معاملے کو زیادہ دنوں تک نہ چھپا سکوں گا۔“

”مسٹر انور۔۔۔ میں قسم کھا کر۔۔۔!“

”بس بس۔۔۔!“ انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس کی ایک ہی صورت ہے اگر تم واقعی ارشاد کے
 قاتل نہیں ہو تو ساجدہ سے باقاعدہ طور پر نکاح کر لو۔ ورنہ۔۔۔ ساجدہ ہی کی زبانی تمہیں ارشاد کا

قاتل ثابت کر ادیتا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہو گا۔“

”مجھے منظور ہے۔“ رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”اب یہ بتاؤ کہ ارشاد سے تم کب ملے تھے؟“

”ایک ہفتہ قبل۔۔۔!“

”اس کی دماغی حالت کیسی تھی؟“

”بالکل ٹھیک تھی۔“

”کبھی اُس پر پہلے بھی یادداشت کھو بیٹھنے والا دورہ پڑا تھا؟“

”میری دانست میں تو کبھی نہیں۔“

”اس کی مالی حالت کیسی تھی؟“

”اس دوران میں خراب ہو گئی تھی۔“

”تمہیں ہیرے کی کان کی اطلاع تھی؟“

”ہاں اُس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔“

”میرا کوئی مطلب نہیں۔“ انور آہستہ سے بڑبڑایا۔ رضوان کچھ نہیں بولا۔ وہ خاموشی سے
 انور کو گھورتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غم زدہ آواز میں بولا۔ ”آخر بے چاری ساجدہ کا کیا ہو گا؟“
 ”جی۔۔۔۔۔؟“ رضوان اس طرح اچھلا جیسے کرسی نے ڈنگ مار دیا ہو۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔!“ انور سنجیدگی سے بولا۔

”مم۔۔۔۔۔ میں آپ کا مطلب۔۔۔۔۔ نن۔۔۔۔۔!“

”نہیں سمجھا۔“ انور نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کر دیا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

اور پھر رضوان کا شانہ تھپک تھپک کر کہنے لگا۔ ”پولیس آپ کی طرف سے بہت زیادہ مشکوک

ہو جائے گی۔ رضوان صاحب ساجدہ کی تجارت تو چل ہی جاتی ہے مگر ساجدہ کی عورت۔ آپ

خود سوچئے کہ پولیس کس نتیجے پر پہنچے گی؟“

رضوان کے ماتھے پر پسینے کی مٹھی مٹھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور سوکے

ہوئے حلق میں سانس اٹکنے لگی۔ انور اُس کی حالت کے تغیر کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا لیکن

کچھ بولا نہیں۔

”اب تو واقعی میں بڑی مشکل میں پھنس گیا۔“ رضوان تھوک نگلتا ہوا بولا۔

”مگر میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ ساجدہ ساجدہ کی نہیں۔“

”آپ اس کا کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکیں گے۔“

”کیوں کیا ساجدہ ساجدہ ساجدہ کی بات نہ کہے گی؟“

”تو بھی آپ پر ایک دوسرا چارج لگے بغیر نہ رہ سکے گا کہ آپ اُسے اغوا کر کے لائے ہیں۔“

انور بولا۔

”اور اگر میں اُسے اپنی بیوی ثابت کر ادوں تو۔۔۔۔۔؟“

”ناممکن ہے۔۔۔۔۔ وہ ایک ضدی لڑکی ہے جب اُسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ اب تک

دھوکے میں رکھی گئی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے سچ بولنے سے باز نہ رکھ سکے گی۔“

”تو کیا آپ اُسے عرصہ سے جانتے ہیں؟“ رضوان گھبرا کر بولا۔

”جی نہیں کسی کے کردار کا مطالعہ کرنے کے لئے صرف ایک ہی گھنٹہ کافی ہوتا ہے۔“

رضوان تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”کیا تم نے بھی اپنا روپیہ اُس میں لگایا تھا؟“
 ”نہیں.... میں کسی کی شراکت میں کوئی تجارت نہیں کرتا۔“

”تمہارا کس چیز کا کاروبار ہے؟“

”فارورڈنگ اور کلیئرنگ، کچھ ذاتی اکسپورٹ اور امپورٹ بھی کرتا ہوں۔“

”ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟“

”تقریباً پانچ سال سے۔“

”تمہاری دانست میں اُسے کون قتل کر سکتا ہے؟“

”میری دانست میں اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔“

”یہاں کب تک قیام کرو گے؟“

”ساجدہ کے ساتھ ہی واپس جاؤں گا۔ یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔“

اُس کے بعد دونوں اٹھ گئے۔

دوسرے دن ساجدہ اور انور شہر کی طرف جا رہے تھے۔ رضوان کو کوٹوالی انچارج نے کرمصلحت سے تار جام ہی روک لیا تھا۔ انور کارڈ رائیو کر رہا تھا۔ ساجدہ اُس کے برابر بیٹھی تھی۔ اس وقت پھر اُس کے ماتھے پر غرور کی سلوٹیں ابھر آئیں۔ آنکھوں کی سفاک چمک عود کر آئی تو لیکن وہ خاموش تھی۔

”ارشاد کی زندگی کا یہ تو رہا ہی ہو گا؟“ انور نے پوچھا۔

”ہاں....!“

”کتنے کا....؟“

”اسی ہزار روپے کا۔“

”اوہ.... خاصی رقم ہے۔“ انور نے کہا۔

”مگر وہ پالیسی پر پہلے ہی قرض لے چکا تھا۔“ ساجدہ بولی۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم بالکل ہی کنگال ہو چکی ہو۔“

”تم کتنے ظالم اور وحشی ہو۔“ ساجدہ منہ بگاڑ کر بولی۔

”اب ان سلوٹوں کو مٹ جانا چاہئے تھا۔“ انور نے اُس کے ماتھے کی طرف دیکھ کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں ساجدہ کا ہاتھ اٹھ کر اُس کے گال پر پڑا۔ انور نے کار روک دی۔ جیب سے ساجدہ کے دیئے ہوئے پانچ سو روپے کے نوٹوں کا بنڈل نکال کر اُس کی گود میں ڈالتا ہوا بولا۔
 ”شکریہ خدا حافظ۔“

وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور کار اُس پر دھول جھونکتی ہوئی آگے نکل گئی۔ رہ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے شہر جانے والی بس مل گئی اور وہ اُس پر بیٹھ کر اپنے اخبار لے لے۔
 ہیرے کی کان کی ٹریڈی لکھنے لگا۔

سرکاری جاسوس سے جھڑپ

شہر پہنچ کر وہ سیدھا آفس چلا گیا۔ رشیدہ بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اُس کا چہرہ کھل گیا۔

”دوڑتے دوڑتے کچومر نکل گیا۔“ رشیدہ منمنائی۔ انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کرسی تھک کر ایک طرف بیٹھ گیا۔
 ”وہ لڑکی پراسرار طریقے پر غائب ہو گئی۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”کل رات میں نے کم از کم دس چکر دولت گنج کے ضرور لگائے ہوں گے۔“

”مجھے اُس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ انور بیزار سی سے بولا۔

”اور ساجدہ....؟“

”جہنم میں گئی۔“

”یہ تو بڑا اچھا ہوا۔“ رشیدہ چمک کر بولی۔ ”اپنا پتہ دے گئی ہے یا نہیں؟“

”میں نے اُس کے روپے واپس کر دیئے ہیں۔“

”لیکن اُس کے شوہر نے خود کشی کیوں کر لی؟“

”خود کشی نہیں قتل....!“ انور بولا۔

”قتل؟ قتل کس نے کیا؟“

”میں نے۔“ انور ہونٹ بچھینچ کر بولا۔ ”اب تمہارا بھی گا گھونٹ کر چھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔“

”شوق سے، تمہارے ہاتھوں مرنے میں مجھے کوئی دکھ نہ ہوگا۔“ رشیدہ نے اتنے رومانی انداز میں کہا کہ انور کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

”میں نہیں مت کرو۔ مجھے ہوک لگ رہی ہے۔“ انور نے کہا۔

”تو ایسے بولوتا۔“ رشیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”ابھی میری جیب میں کافی پیسے ہیں۔“

دونوں دفتر سے نکل کر سامنے والے ریسٹوران کی طرف بڑھے۔

”کل سے انسپکٹر آصف کئی بار تمہیں پوچھنے کے لئے آچکا ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”بھئی اب ختم بھی کر دے قصہ۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ انور بولا۔

”ختم کر دیا۔“ رشیدہ نے کھانا ختم کرنے کے بعد پانی پیتے ہوئے کہا۔

”تم پھر مجھے حسین لگ رہی ہو۔“ انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

”لڑکے؟“ رشیدہ نے ہیرے کو مخاطب کر کے کہا۔ ”صاحب کے لئے ایک ڈبہ سگریٹ لے

آؤ۔ اسٹیٹ ایکسپریس لیں۔“

انور دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔

”اور میرے ہونٹوں کا رنگ کیسا ہے؟“ رشیدہ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کیساتھ پوچھا۔

”تم لال رنگ کی پڑیا پھانک گئی ہو۔“ انور بولا۔

”اور میری آنکھوں کی جھیلوں میں؟“

”کچھڑ ہے کچھڑ، کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔“ انور نے منہ سکڑ کر کہا۔

”اور میرے گالوں کے سیب....؟“

”سیب نہیں شلجم کہو۔ آج صبح تم نے منہ کیوں نہیں دھویا؟“ انور بیزاری سے بولا۔

”اور.... میرے....؟“

”ہاں اور تمہارے سر میں جو نیس بج رہی ہیں۔ بس اب چپ رہو۔“

”نہیں چپ رہتی۔“

”دیکھو میں یہاں ریسٹوران میں کسی قسم کا جھگڑا کرنے کیلئے تیار نہیں۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں پھر آفس میں لوٹ آئے۔ یہاں ایڈیٹر کے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا انتظار

کر رہا تھا۔ انور اپنی میز پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ایڈیٹر کے کمرے میں طلبی ہوئی۔

آصف نے انور کو گھورنا شروع کر دیا لیکن انور اُس کی طرف دیکھے بغیر ایڈیٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”سب انسپکٹر صاحب تمہیں یاد کر رہے تھے۔“ ایڈیٹر نے کہا۔

”وہ تو ہر وقت مجھے یاد کیا کرتے ہیں.... محبت بہت بُری چیز ہے۔“ انور مسکراتا ہوا ایک

آنکھ دبا کر بولا۔

”تم کل رات کو کہاں تھے؟“ آصف نے کڑک کر پوچھا۔

”شہنشاہ باؤڈالی کے ساتھ لوڈو کھیل رہا تھا۔“ انور نے بے پرواہی سے کہا اور ایک کرسی پر

بیٹھ گیا۔ آصف کی بجنویں تن گئیں اور ایڈیٹر مسکرانے لگا۔

”دیکھو میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ آصف نے بیزاری سے کہا۔

”تو میں کب تمہیں مذاق پر مجبور کر رہا ہوں۔“

”کل تم شہر میں ارشاد کے متعلق چھان بین کیوں کرتے پھر رہے تھے۔“ آصف نے پوچھا۔

”میرا ارادہ تھا کہ اُس کی ایک شادی اور کراؤں۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”دیکھو اگر تم سیدھی طرح بات نہیں کرو گے تو مجبور اُچھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔“

”یار بھی اس دھمکی کو عملی جامہ تو پہنا کر دکھاؤ۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”اس بار یہی ہو گا۔“

”لیکن کس جرم میں؟“

”میں تم پر شبہ کر رہا ہوں۔“

”کس بات کا....؟“

”ارشاد کے قتل کا۔“

”کوئی وجہ....؟“

”سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ مسز ارشاد اور تم....!“

”میں سمجھ گیا۔“ انور آصف کی بات کاٹ کر جلدی سے بولا۔ ”ایک دوسری وجہ اور ہے کہ

کرم گمر کے ایک جوئے خانے سے مجھے دو سو روپیہ یومیہ ملتے ہیں۔ اور میں۔“

”اچھا اچھا....!“ انسپکٹر آصف جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”میرے ساتھ آؤ.... باہر....“

مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔“

”تو ایسے بات کرو تاہم پیارے۔“ انور آصف کے پیچھے ایڈیٹر کے کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

”ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تم کل ہائی سر کل کلب میں ارشاد کے متعلق کیوں پوچھ گچھ کر رہے تھے؟“

”میں بتاؤ دوں لیکن آج کل میری جیب خالی ہے تم کریم نگر کے جوئے خانے سے دو سو

روپیہ روز کماتے ہو اور مجھے مفلس دوست کیلئے تمہاری جیب سے ایک پائی بھی نہیں نکلتی۔“

”دیکھو تم مجھے اس طرح دھونس میں نہیں لے سکتے۔“ آصف نے جھلا کر کہا۔

”میرے پیارے۔“ انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”میرے پاس اس کے

لئے اتنے ثبوت اور ایسے معزز گواہ ہیں کہ تمہارا پارسل بیرنگ ہو سکتا ہے۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ آصف زچ ہو کر بولا۔

”میں تمہیں جو اطلاع دوں گا اُس کی قیمت صرف سو روپے ہے۔“ انور بولا۔ ”اور یہ بھی

میرا احسان ہو گا۔“

”مجھے منظور ہے۔“ آصف منہ پھلا کر بولا۔ ”لیکن یہ سو روپے تم آسانی سے ہضم نہ کر سکو گے۔“

”فکر مت کرو۔ میرے پاس ہاضمے کے کئی چورن ہیں۔“

آصف نے جیب سے پرس نکال کر دس دس روپے کے دس نوٹ گن دیئے۔

”ہوں اب آؤ۔“ انور اُس کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے جاتا ہوا بولا۔ ”تمہارے لئے چائے

منگواؤں یا کافی؟“

”بس بس شکریہ۔“ آصف تضرع آمیز لہجے میں بولا۔

انور نے اُسے ارشاد کی یادداشت کھوجانے کا اور ساجدہ کے طالب امداد ہونے کا واقعہ دہرا لیا۔

”یہ تو مجھے ساجدہ ہی سے معلوم ہو چکا ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”میں نے اس کے لئے

روپے تمہیں نہیں دیئے۔“

”ہاں ہاں میں جانتا ہوں، جوئے خانے والے معاملے کی پردہ پوشی کے لئے دیئے ہیں۔“

جلدی سے بولا۔

”دیکھو انور میں سچ کہتا ہوں۔“ آصف تیز لہجے میں کچھ کہتے کہتے رکب گیا۔

”میں سچ بولنے والوں کی قدر کرتا ہوں۔“ انور طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

”کل رات کو رشیدہ بار بار دولت گنج کے چکر کیوں لگا رہی تھی؟“

”یہ اُسی سے پوچھ لیا ہوتا۔ بہت سعادت مند لڑکی ہے۔ فوراً بتا دیتی ہے۔“

”سعادت مند.....!“ آصف ہونٹ بھیج کر آہستہ سے بولا اور چند لمحے خاموش رہ کر کہنے

لگا۔ ”اس بار تمہارا بچنا مشکل ہے۔“

”ارے.....!“ انور چونک کر بولا۔ ”یہ تم نے کیسے کہا۔ کیا میں کچھ بیمار معلوم ہو رہا ہوں؟“

”رشیدہ کو بلاؤ۔“ آصف میز پر گھونسا مارتا ہوا بولا۔

”تمہارے باپ کی نوکر نہیں ہے۔“ انور آصف کو گھور کر بولا۔ ”اُس سے اگر تم ذرہ برابر

بھی بد تمیزی سے پیش آئے تو اچھا نہ ہو گا۔“

پہلے تو آصف کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنی حالت پر قابو

پالیا۔ وہ جانتا تھا کہ انور ضدی آدمی ہے اور پھر بلا کا ذہین، وہ اُسے دھمکیاں تو ضرور دیتا رہتا تھا

لیکن یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اُسے کچھ دنوں کے لئے جیل بھجوا بھی دیا گیا تو اُس سے اُسے

کوئی خاص نقصان نہ پہنچے گا لیکن اگر وہ شرارت پر آمادہ ہو گیا تو شہر کے درجنوں پولیس افسروں کی

عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔

”تو تم نے رشیدہ سے شادی کر لی ہے؟“ آصف جھپٹتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”شادی تو میرے باپ کی بھی نہیں ہوئی تھی۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔

”تم جیسا حرام زلہ بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزر رہا۔“ آصف بے ساختہ ہنس کر بولا۔

”محض خالی خولی رعب جمانے اور گالیاں دینے سے دوستانہ بے تکلفی پیدا نہیں ہوا کرتی۔

میرے تیس ماہ خاں۔“ انور نے آصف کو گھورتے ہوئے کہا۔

”طنز کرنا اور باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔“ آصف کہنے لگا۔ ”تم تو اچھے خاصے ایکٹر بن

گئے ہو۔“

”اور اگر زندگی بھر تم جیسے مہربان دوستوں کے ساتھ ہی زندگی گزارنا پڑی تو بہت جلد

کریکٹر ایکٹر بھی بن جاؤں گا۔“ انور اپنی آنکھوں کو سیکھتے ہوئے بولا۔ ”تم نے آج تک کوئی کام

کی بات بھی.....!“

”لیکن آج میں کام کی بات ہی بتانے آیا ہوں تمہیں۔“ آصف انور کا جملہ کاٹتے ہوئے کہنے

لگا۔ ”مگر تم اپنے متعلق ضرورت سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔“
”کیا مطلب.....؟“ انور یکا یک سنجیدہ ہو گیا۔

”مطلب صاف ہے کہ تمہاری پوزیشن اس وقت مشکوک ہو چکی ہے اور تمہارے ماضی کے متعلق معلومات حاصل کی جا رہی ہیں کہ تمہاری چرب زبانی اور لاف زنی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ ساجدہ سے تمہاری وابستگی اور دل چسپی بہر حال اس شبہ کو اور مضبوط بنا سکتی ہے کہ یہ خیال ہے تمہارا۔“ یہ کہہ کر آصف فاتحانہ اور بزرگانہ انداز میں انور کو گھورنے لگا۔

لیکن انور کی فطری شوخی اس کی آنکھوں میں پھر عود کر آئی اور وہ اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگا۔ واہ واہ کیا دور کی کوڑی لائے ہو۔ میرا خیال پوچھتے ہو تو شاید یہ معلوم کر کے بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مجھے ساجدہ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ ایک مغرور عورت ہے۔ رشیدہ مجھ سے بہت زیادہ بے تکلف ہے، لیکن ایک دوست سے زیادہ اس کی ذات سے خاصی دلچسپی ہونی چاہئے۔ کیونکہ تمہارے خیال کے مطابق اس نے میری دلچسپی اور معلومات کے لئے دولت گنج کے اس قدر چکر لگائے..... ہے نا..... ذہنی صرف زبیدہ نامی اس عورت سے ہمدردی ہے جو ارشاد کے بعد رضوان نامی ایک پراسرار آدمی کے اشاروں پر کھیل رہی ہے۔ کہو کیا یہ سب باتیں مجھے ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں مشکوک بنانے کے لئے کچھ کم ہیں۔ مگر تم کیا سمجھو گے ان سب باتوں کو.....!“

آصف تقریباً مبہوت سا ہو کر انور کی یہ باتیں سنتا رہا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چوکتے ہوئے ایک دم بول اٹھا۔ ”نہیں یہ سب غلط ہے ایک دم غلط..... عین ممکن ہے کہ رشیدہ بھی اس پراسرار سازش کا ایک ممبر ہو۔ شاید نے آج صبح ٹیلی فون پر مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔“

”ٹیلی فون پر..... آج صبح؟“ انور حیرت زدہ ہوتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا اور پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ”کتنے بجے ٹیلی فون کیا تھا اس نے؟“

”دس بجے۔“

یہ سن کر انور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چند سیکنڈ کے بعد چوکتے ہوئے بولا۔

”تعجب ہے کہ اس نے کل رات ہی کو تمہیں اپنے شعبے سے کیوں مطلع کیا۔ وہ آج دس

بجے تک کیا سوچتا رہا۔“

”واقعی یہ چیز قابل غور ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”اچھا میں اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔“
”شاید اب تم اس کی گرد کو بھی نہ پاسکو۔“
”کیوں؟“

”اگر ایسا ہو تا تو وہ فون کرنے کے بجائے خود تم سے ملتا۔“ انور نے کہا۔
”ارے چھوڑو بھی ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اس کے باپ تک کو قبر سے نکال لاؤں گا۔“
آصف نے فخریہ انداز میں کہا۔

”کفن گھسوٹی کے علاوہ اور تم لوگوں کو آتا ہی کیا ہے۔“ انور نے برا سامنہ بنا کر کہا۔
”خیر..... خیر..... میں تم سے پھر ملوں گا۔“ آصف نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
”سور وپوں کا اور انتظام کر کے آنا۔“ انور نے کہا۔
آصف جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد رشیدہ اٹھ کر انور کے پاس آئی۔
”کیا پوچھ رہا تھا؟“ رشیدہ نے کہا۔

”کہہ رہا تھا کہ تم رشیدہ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔“
”پھر تم نے کیا کہا.....؟“ رشیدہ نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔
”میں نے کہانی الحال مالی مشکلات میں مبتلا ہوں۔ شادی کا انتظام کہاں سے کروں گا۔ اس پر وہ سو رہے مجھے دے گیا ہے۔ لو انہیں اپنے پاس رکھو۔“ انور نے کہا اور نوٹ رشیدہ کو دے دیئے۔

”ٹھیک بتاؤ..... یہ روپے تمہارے پاس کہاں سے آئے؟“

”چور کی گرہ کاٹ لی۔“ انور مسکرایا۔

”یعنی.....؟“

”آخر اس کی حرام کی کمائی میں میرا بھی توجہ لگنا چاہئے۔“

”اوہ.....!“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔ ”کہیں یہ لوگ تمہیں قتل نہ کر دیں۔“

”تمہیں اس سے کیا؟“ انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا میں اب جا رہا ہوں۔ واپسی پر میرے

لے سگریٹ کا ڈبہ اور دو ایک کتابیں خرید لینا۔“

”کہاں جا رہے ہو۔ میں بھی چلوں گی۔“

”ذرا اتلا کر کہا ہوتا۔“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔ ”گودی میں چلو گی یا انگلی پکڑ کر پاؤں

رشیدہ جھینپ گئی اور انور اُسے گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہکتا ہوا شاہد کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔

آفس میں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ کل بارہ بجے کے بعد سے آفس نہیں آیا۔ انور نے اُس کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور وہاں پہنچا۔ گھر میں اُس کی بیوی اور بوڑھی ماں موجود تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ شاہد کل آفس گیا تھا لیکن اس کے بعد سے گھر نہیں آیا۔

”اور آپ لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوئی؟“ انور نے اُس کی بیوی سے پوچھا۔

”غالباً وہ کسی کاروباری ضرورت سے شہر سے باہر چلے گئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بغیر اطلاع چلے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں کوئی خاص پریشانی نہیں ہے۔“

وہاں سے واپسی پر انور اس واقعے کے متعلق ایک بالکل ہی نئے زاویے سے سوچ رہا تھا۔

کچھ نئی باتیں

سات بج گئے تھے انور جلدی سے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ بالکل ہی الگ راستے پر۔ شاہد کے عجیب و غریب رویے نے اُس کے ذہن کو بُری طرح الجھا دیا تھا۔ آخر وہ غائب کیوں ہو گیا۔ دو بجے رات کو اُس کے گھر آکر رشیدہ کو دھمکیاں دینے کا کیا مطلب تھا۔ اُس نے انسپکٹر آصف سے فون پر کیوں گفتگو کی۔ بذات خود کیوں نہیں ملا۔ انور انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا بازار سے گزر رہا تھا کہ اُسے رشیدہ ایک بک سٹال سے کتابیں خریدتی ہوئی دکھائی دی۔ انور بک سٹال کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ ابھی وہ دروازے ہی میں تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت ہاتھ میں کچھ کتابیں دباۓ ہوئے اندر سے نکل کر فٹ پاتھ پر اتر گئی۔ انور پلٹ پڑا۔ اُس کی نظریں اُس عورت کے پیروں پر تھیں۔ وہ اُس کے سینڈل دیکھ کر چوک پڑا۔ اندر سے رشیدہ نے اُسے دیکھ کر دی لیکن وہ اُس کی پرواہ کئے بغیر زینوں سے اتر کر برقعہ پوش عورت کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ کچھ گھبراہٹی ہوئی سی نظر آرہی تھی۔ اُس نے دو ایک بار پلٹ کر انور کی طرف دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔ انور اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس نے پھر پلٹ کر دیکھا اور انور

اب بھی اپنے پیچھے دیکھ کر رفتار تیز کر دی اور پھر اچانک وہ سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر قریب قریب اُس کے اندر گر ہی پڑی۔ اُس نے کچھ کہا.... انجن میں ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور ٹیکسی چل پڑی۔ اُس سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی اور کھڑی ہوئی تھی۔ انور بے تحاشہ اُس کی طرف بڑھا۔

”اُس ٹیکسی کے پیچھے چلو۔“ انور ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی جا رہا تھا کہ رشیدہ بھی دھنس پڑی۔

”کیا ہے.... کیا ہے؟“ انور جھلا کر بولا۔

”کچھ نہیں....!“ رشیدہ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتی ہوئی پراطمینان لہجے میں بولی۔ ٹیکسی چل پڑی۔

انور بیزاری سے سامنے دیکھتا رہا۔ اُس کے ہونٹ کے گوشے ٹھوڑی کی طرف جھک گئے تھے۔ رشیدہ ایسے بے نیاز انداز میں بیٹھی تھی جیسے انور سے اُس کی جان پہچان ہی نہ ہو۔

”آخر تم بعض اوقات اتنی احمق کیوں ہو جاتی ہو؟“ انور نے کہا۔

”اُس ٹیکسی میں کون ہے؟“ رشیدہ ہونٹ سمجھتی ہوئی بولی۔

”میری نانی۔“

”تو وہ میری کون ہوئی؟“ رشیدہ نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ انور اُسے تیز نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

”اب تم لڑکیوں کے پیچھے دوڑنے لگے ہو۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”اور کیوں نہ ہو، وہ تھی بھی کافی خوب صورت۔“

”اچھا....!“ انور زہریلے انداز میں بولا۔ ”اسی لئے تم میرے پیچھے لگ گئی ہو۔ تم نے ایک پیشہ ور بیوی کو مات کر دیا۔ دیکھو ہم دونوں صرف دوست ہیں اور بس....!“

”تم کہتے ہو۔“ رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر بولی۔

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں بدستور سامنے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ٹیکسی سے پول ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ برقعہ پوش لڑکی اتر کر اندر چلی گئی۔ انور نے بھی ٹیکسی رکوئی اور چھپتا ہوا اُس کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ رشیدہ اُس کے پیچھے تھی۔ لڑکی کو ریڈر ہی

میں تھی کہ انور نے اُسے جالیا۔

”زبیدہ۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ لڑکی سہم کر رک گئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا اور چہرے پر نقاب الٹ دی۔

”کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟“

”اپنے کمرے میں چلو۔“ انور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کیل سے کچی اُتار کر دروازہ کھولا اُس کے پیچھے انور اور ریشہ بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی نے سوچ آج کر کے دروازہ بند کر دیا اور خوفزدہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھنے لگی۔

”یہاں تمہیں اس ہوٹل میں رضوان نے منتقل کیا ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں.... میں خود چلی آئی ہوں۔“

”کیوں....؟“

”نہیں بتاؤں گی۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟“

”بے وقوف لڑکی.... ابھی پولیس تم سے واقف نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے ہی یہ معاملہ ختم ہو جائے، مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

”مجھے ہمدردی سے نفرت ہو گئی ہے۔“ زبیدہ جھلا کر بولی۔

”خدا اچھی نہیں ہوتی۔“ انور نے کہا۔ ”رضوان کو تار جام کی پولیس نے حراست میں لے

لیا ہے۔“

”لے لیا ہو گا۔ مجھے کسی بات سے دلچسپی نہیں رہ گئی۔“

”شاید کو جانتی ہو؟“ انور نے پوچھا۔

”شاید کو.... کون شاید....؟ اوہ کل....!“ وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ دفعتاً کسی نے دروازے کو دھکا دیا اور ایک کاغذ کا پرزہ دروازے سے اندر آگرا۔ انور نے جھپٹ کر کاغذ اٹھا جس پر لکھا تھا۔

”خبردار ایک لفظ بھی منہ سے نکلنے نہ پائے۔“

وہ جلدی میں اس ٹکڑے کو وہیں پھینک کر باہر نکل گیا۔ کوریڈور سنسان پڑا تھا۔ وہ تیزی سے

نیچے اترا۔ کافی دیر تک چھان بین کرتا رہا مگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر وہ پھر زبیدہ کے کمرے میں لوٹ آیا۔ یہاں زبیدہ ایک کرسی پر آنکھیں پھاڑے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ ریشہ اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

”وہ کون تھا....؟“ انور نے تند لہجے میں پوچھا۔ زبیدہ چونک کر اُسے خوفزدہ نظروں سے

دیکھنے لگی۔

”میں نہیں جانتی۔“ اُس نے تیز سرگوشی میں کہا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خواب میں بول رہی ہو۔

”خیر.... خیر.... اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو میں نہیں پوچھوں گا۔“ انور نے کہا۔

”لیکن کم از کم یہ تو بتا ہی دو کہ تم یہاں کیوں چلی آئیں؟“

”میں پھر بتاؤں گی.... اس وقت میرا دماغ ٹھیک نہیں۔“

”اور تم یہاں خطرے میں بھی ہو۔“ انور نے کہا۔

”کیوں؟“ زبیدہ چونک کر بولی۔

”یہ تم مجھ سی بہتر سمجھ سکتی ہو۔“ انور نے کہا۔ زبیدہ بے بسی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

”تمہارا یہاں سے ہٹ جانا بہتر ہے۔ چلو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔“ انور نے کہا۔

”چلو....!“ زبیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”لیکن میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں گی چاہے میری کھال

اڑھیز دو.... چاہے پھانسی پر چڑھا دو۔“

”میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں

آنسو اُڑے آ رہے تھے۔

ریشہ نے اُسے تحیر آمیز انداز میں دیکھا۔ انور منہ پھیر کر اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش

کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے نکلے اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئے۔

انور نے اُس کا انتظام ایک چھوٹے سے غیر معروف ہوٹل میں کر دیا اور گھر لوٹ آیا۔ ریشہ

اس دوران میں کچھ بولی نہیں۔ انور کا ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

”آج خلاف توقع تم بہت زیادہ انسان نظر آ رہے ہو۔“ ریشہ نے کہا۔

انور صرف اُس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

”اوبابا.... جاؤ یہاں سے، مجھے سوچنے دو۔“
 ”نہیں سوچنے دوں گی۔“ رشیدہ نے کہا اور اُس کی ٹائی پکڑ کر اُسے اٹھادیا۔
 ”دیکھو میں نے تمہیں کئی بار سمجھایا۔“ انور چڑھ کر بولا۔
 ”ایک بار اور سمجھا دو۔“

انور نے رشیدہ کے گھونگر لالے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر دو تین جھٹکے لگا دیئے۔ رشیدہ کی ہلکی ہلکی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بسور بسور کر انور کو گھورتی رہی اور انور میز پر سر اوندھا کر کے بیٹھ گیا۔
 ”میں کھانا کھانے جا رہی ہوں۔ اس کے بعد فلم دیکھنے جاؤں گی۔ سنا تم نے.... کینے.... وحشی.... درندے۔“ وہ بوڑھائی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

انور نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کاغذ کے پرزے کو میز پر رکھے گھور رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ انور نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر آصف اندر داخل ہوا۔ وہ آتے ہی نہایت بے تکلفی سے آرام کرسی میں گر گیا۔

”بھی چائے پلاؤ۔“ آصف اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔

”اچھا.... کیا یہ کوئی ہوٹل ہے.... یا....!“

”تمہاری گلہری کہاں گئی.... کیا وہ اس وقت اتنا بھی نہ کر سکے گی؟“

”تو کیا تم اسی طرح اپنے سو روپے وصول کرو گے؟“ انور نے کہا۔ ”اچھا کل سے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھانا۔“

”یار تم ہمیشہ اوٹ پٹانگ ہاںکتے رہتے ہو۔“

”اچھا اب تمہاری شان میں قسیدے پڑھا کروں گا۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔“ آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

”یہ حقیقت ہے۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”رشیدہ تو جھگڑ کر فلم دیکھنے چلی گئی ہے اور روپے

ایسی ہکے پاس ہیں۔“

”تو پھر اب تم کیا کرو گے؟“

”پاؤ بھر شکر چھانک کر ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لوں گا۔ اس سے رات کو خاصی اچھی نیند آتی ہے۔“

”سچ بتاؤ کیا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں چھلک آئے تھے؟“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔

”تو پھر.... مجھے اُس سے ہمدردی ہے، پہلے وہ اپنے ظالم چچا کے ہاتھوں پریشان رہی۔ پھر اُسے دو آوارہ آدمی نکال لائے اور اب وہ ایک قاتل اور سازشی کے ہاتھوں کھ پتلی بن کر رہ گئی ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے۔ ایک عظیم تاریکی میں ریگتا ہوا یہ حقیر کیڑا کس طرح دوسروں کا پابند ہے اور دوسرے اس کے پابند ہیں۔ نہ جانے کب یہ بے بسی ختم ہوگی اور یہ تاریکی دور ہوگی۔“
 ”واقعی تم اس وقت فلسفیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔

”آخر تمہیں ساجدہ سے کیوں ہمدردی نہیں۔ وہ بے چاری بھی تو بیوہ ہو گئی؟“

”اُسکے پاس اتنے قیمتی زیورات ہیں کہ وہ زندگی بھر کسی کی محتاج نہیں ہو سکتی۔“ انور نے کہا۔

”اونہہ ہوگا۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ”مگر تم میرے لئے ہمیشہ وحشی اور درندے بنے رہو گے؟“

”تم بھی آزاد ہو۔ کسی کی پابند نہیں۔ تمہاری قسمت کسی دوسرے سے وابستہ نہیں ہے۔“

انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

”بڑی غلطی ہوئی۔“ وہ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

”کیا ہوا....؟“

”میں وہ کاغذ کا پرزہ وہیں چھوڑ آیا۔“

”بڑے عقل مند بنے تھے۔“ رشیدہ قہقہہ لگا کر بولی۔

انور اُسے غصہ بھری نظروں سے گھورتے لگا۔

”لو میلے.... گڈے میاں.... لو تے نہیں۔“ رشیدہ منہ بنا کر تعلقا ہوئی بولی اور جیب سے

کاغذ کا ٹکڑا نکال کر انور کے سر پر رکھ دیا۔

انور نے اُسے جیب میں رکھ لیا اور اٹھ کر ٹیبلٹ لگا۔

”اُف فوہ.... نوخ گئے اور ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔“ رشیدہ نے کہا۔

”میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔“

”کیوں؟“

”میری خوشی۔“

”تمہیں کھانا پڑے گا۔“

”چہ چہ....!“ آصف متاسفانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”تم نے اپنی زندگی برباد کر لی۔ اکثر افسوس کرتا ہوں۔ اتنا ذہین اور قابل آدمی ایسی واہیات زندگی بسر کر رہا ہے۔“

”شکریہ.... شکریہ۔ ایسی باتیں کسی دسویں درجہ کے طالب علم کے لئے اٹھار کھو۔“

”اچھا اچھا اٹھو چلو.... میں نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا۔“ آصف نے اٹھنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں شکریہ۔“ انور نے بے رخی سے کہا۔ ”تم جس کام کے لئے آئے ہو کہہ چلو۔“

”میں ایک دلچسپ خبر لایا ہوں۔“

”وہ یقیناً غیر دلچسپ ہوگی۔“

”خیر ہوگا۔“ آصف جلدی سے بولا۔ ”اُس ہیرے کی کان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

”فراڈ.... چار سو بیس....!“ انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

”آج میں نے یہیں تین ایسے آدمیوں کا پتہ لگایا جو اُس کان میں اپنا روپیہ لگائے ہوئے تھے اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ارشاد انہیں کچھ تھوڑا بہت منافع بھی دے چکا تھا اور یہ بات تو جانتے ہی ہو کہ جو تھوڑے بہت ذرات اس کان سے نکلے تھے اُن کی قیمت ہی کیا ہو سکتی ہے پھر یہ منافع کہاں سے آئے گا۔ اور پھر سیٹھ اطہر کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ اُس کان کے صرف تین حصے دار تھے۔ ارشاد، دھارا سنگھ اور وہ خود۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارشاد اُن سب کا روپیہ ہضم کرتا رہا۔“

”میرے لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔“ انور خشک لہجے میں بولا۔

”خیر خیر....!“ آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”دوسری اطلاع پر تم یقیناً اچھل پڑو گے۔“

”اچھلنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ خیر بیان کرو۔“

آصف نے جیب سے ایک ٹاپ کیا ہوا کاغذ نکال کر انور کی طرف بڑھایا۔ انور اُسے لے کر پڑھنے لگا۔

”بیارے ارشاد!“

اب عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تمہاری ضرورت پر تمہیں بیس ہزار روپے دیئے تھے۔ میں نے شاہد کو ابھی تک اسی دھوکے میں رکھا کہ روپے میرے پاس محفوظ ہیں۔ مگر

”اب شدت سے تقاضا کر رہا ہے جس طرح ممکن ہو روپے مہیا کرو۔ اُسے شاید ہمارے تعلقات پر بھی شبہ ہو گیا ہے۔ بدھ کے دن وہ کہیں باہر جا رہا ہے۔ میں تمہیں اُس دن تار جام میں ملوں گی تم روپے مہیا کر کے وہاں موجود رہنا اور کیا لکھوں۔ کل میرے ماتھے پر سخت چوٹ آگئی ہے، بہت تکلیف ہے، اچھا تو اب تار جام میں ملاقات ہوگی۔“

”نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ انور خط ختم کرنے کے بعد آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا سمجھے؟“ آصف مسکرا کر بولا۔

”تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ خط شاہد کی بیوی کا ہے؟“ انور نے کہا۔

”قطعی میں نے اُس کے ماتھے پر آج پٹی بندھی ہوئی دیکھی ہے۔“ آصف نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن تمہیں یہ خط ملا کہاں سے؟“

”ارشاد کے گھر میں۔ آج صبح میں نے اُس کے گھر کی تلاشی لی تھی۔“

”بڑا احمق تھا کہ ایسے خط کو جس سے اُس کے اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات ثابت ہوتے ہیں اپنی بیوی کو نظر پڑنے کے لئے گھر میں ڈال دیا۔“

”اتفاقات ہیں۔“

”اس کاغذ پر کسی قسم کے نشانات بھی ملے؟“ انور نے پوچھا۔

”اگر نہ ملتے تو میں اس خط کو اہمیت ہی کیوں دیتا۔ یہ دیکھو ایک تو یہ نشان کتنا واضح ہے شاید انگلی میں تیل یا کوئی دوسری چکنی چیز لگی ہوئی تھی۔ یہ نشان شاہد کی بیوی کی انگلی کا ہے۔“

”اس کے علاوہ کوئی اور نشان؟“ انور نے پوچھا۔

”نہیں اور کوئی نشان نہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ یہ خط ارشاد کے ہاتھ ہی نہیں لگا ورنہ اُس کی انگلیوں کے نشانات اس پر ضرور ہوتے اور یہ کاغذ اس قسم کا ہے کہ اس پر ہلکی سی گرفت بھی خاصے اچھے نشانات چھوڑکتی ہے۔ اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھ نہیں لگا تو اس کا یہ مطلب کہ وہ اُس کے گھر ہی کے پتہ پر آیا جو قطعی ناممکن ہے۔ ایک ایسا خط جس میں اس قسم کے تعلقات کا اعتراف ہو، اتنی لاپرواہی سے نہیں بھیجا جاسکتا۔ اچھا ایک دوسری بات.... اور اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا تو وہ پروگرام کے مطابق تار جام کیسے پہنچ گیا۔ اور دھارا سنگھ وغیرہ سے بیس ہزار کا تقاضا کیا۔“

”یارتہم ہمیشہ معاملے کو الجھادیے ہو۔“ آصف منہ سکڑ کر بولا۔

”تم معاملہ ہی ایسا لاتے ہو جو خواہ مخواہ الجھ جاتا ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”غالباً تم رائے قائم کی ہے کہ ارشاد اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات تھے، ارشاد نے اُس سے بیس روپے قرض لئے جو اُس نے اپنے شوہر سے چھپا کر ارشاد کو دیئے تھے۔ اس دوران میں شاہد کو ان کے تعلقات کا علم ہو گیا اور دھار سنگھ کو اس بناء پر قتل کیا گیا کہ اُسے خودکشی میں شبہ ہی نہیں بلکہ اُس نے کچھ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تھا۔“

”قطعی....!“ آصف خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ”میں نے یہی رائے قائم کی ہے۔“

”تو اب تم اس خیال کو دل سے نکال دو۔ ورنہ بچوں کی تفریح کے لئے کسی عجائب خانے میں رکھ دیئے جاؤ گے۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”لیکن یہ خط....؟“ آصف جھنجھلا کر بولا۔

”کوئی ان بے چاروں کو خواہ مخواہ پھنسانا چاہتا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”ایک سادے کاغذ پر اتفاق سے میری انگلیوں کے نشانات پڑ جائیں تو تم اسے حاصل کر کے میری طرف سے ان ایران کے وزیر اعظم رزم آرا کے قتل کا اقرار نامہ ٹاپ کر ڈالو تو کیا میں محض اس بناء پر رزم آرا کا قاتل قرار دیا جاؤں گا کہ اس کاغذ پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ عقل کے ناخن، میاں انسپکٹر مگر اللہ نے تمہیں ناخن دیئے ہی نہیں۔“

آصف جھینپ کر اپنی گنجی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”ادنبہ ہو گا....!“ آصف اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میں شاہد کی بیوی کا وارنٹ گرفتاری نکلوا رہا ہوں۔“

”شوق سے، لیکن تمہیں صرف مایوسی ہو گی۔“

”تو پھر شاہد غائب کیوں ہو گیا؟“ آصف نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ کسی کام کے لئے باہر چلا گیا ہو۔ وہ اکثر اسی طرح گھر میں اطلاع دیئے

باہر چلا جاتا ہے۔“

”یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اترتی۔“ آصف بولا۔

”تو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر آرام سے سو رہو۔“

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر بیزاری کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ آج انور اُس کی عظمت کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ مگر اُس نے تو بساط ہی الٹ دی۔

”تار جام کی کوئی نئی اطلاع؟“ انور نے پوچھا۔

”رضوان اب واپس آ گیا ہے، وہاں کی پولیس اُس سے مطمئن ہو گئی ہے، اب سینڈ اٹپر حراست میں ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ تمہاری طرف بھی حملہ ہو، وہاں پولیس نے تمہارے ادا ساجدہ کے گذشتہ تعلقات کے متعلق معلومات فراہم کر لی ہیں۔“

”جس دن ایسا ہوا اُسی دن تار جام کے کو توالی انچارج صاحب سر کے بل کھڑے مرثے کی

بولی بول رہے ہوں گے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں آں....!“

”اور اُس عورت کا کیا ہوا؟ جس کے متعلق وہاں کی پولیس رضوان سے معلومات حاصل کرنا

چاہتی تھی؟“ انور نے پوچھا۔

”اس پر کچھ زیادہ زور نہیں دیا گیا اور یہ چیز کچھ ایسی بھی نہیں معلوم ہوتی۔“ آصف نے کہا۔

”رضوان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”پہلے ضرور مشتبہ تھا مگر اب اس خط کی موجودگی میں“ آصف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”اس خط کی موجودگی میں تم شاہد اور اُس کی بیوی کو پھانسی پر چڑھوا دو گے؟“ انور بیزاری

سے بولا۔

”آخر تم شاہد کے حق میں کیوں بول رہے ہو۔ جب کہ اُس نے تمہیں پھنسانے کی کوشش

کی تھی؟“ آصف نے کہا۔

”میں اُس کے حق میں نہیں بول رہا ہوں۔ بلکہ اُس معاملے پر ہر پہلو سے غور کرنے کی

کوشش کر رہا ہوں۔“

”تم اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہو؟“ آصف نے کہا۔

”یقیناً....!“

”کیوں....؟“

”یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔ میرا پیشہ یہی ہے۔ میں یہاں کے جرائم میں دلچسپی نہ لوں

گا تو کیا اس کے لئے مہاتما بدھ دوبارہ پیدا ہوں گے؟“

”تم انتہائی عیار آدمی ہو۔ میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں۔“

”کیوں....؟“ انور نے کہا۔

”تمہارے اور ساجدہ کے گذشتہ تعلقات....!“ آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اور گذشتہ“

”کیوں؟ ممکن ہے اب بھی قائم ہوں؟“

”بہت ممکن ہے۔“ انور اسکی آنکھوں میں دیکھ کر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”تمہاری تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔“ آصف نے کہا۔

”یقیناً مشکل ہے۔“ انور نے کہا۔ ”مگر تم تہہ تک پہنچنے کی کوشش سے باز نہیں آتے۔ جب“

”بھی یہاں کوئی خاص قسم کا کیس ہو جاتا ہے تم میری تہہ تک پہنچنے میں مشغول ہو جاتے ہو اور میں اس جرم کی تہہ تک پہنچ کر کوڑیاں اور گھونگھے بٹور لاتا ہوں۔ کوڑیاں خود رکھ لیتا ہوں اور گھونگھے تم سمیٹ لے جاتے ہو۔ آخر ہونہ گھونگھے۔“

”کہہ لو بر خوردار....!“ آصف بزرگانہ انداز میں بولا۔ ”تم یہ بھی نہیں دیکھتے کہ میں عمر“

”میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔“

انور بڑا سامنے بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں رشیدہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ناشتہ تھا۔

”تمہارا کھانا۔“ اُس نے ناشتہ دان میز پر رکھتے ہوئے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

”تم کہہ رہے تھے کہ فلم دیکھنے گئی ہے؟“ آصف بولا۔

”نہ گئی ہوگی۔“ انور لاپرواہی سے بولا۔

آصف نے اٹھ کر ناشتہ دان کے ڈبے نکالے اور انہیں میز پر پھیلاتا ہوا بولا۔ ”آؤ بھی۔“

”خیر وہ سو روپے حلال کئے بغیر میں خود نہ کھاؤں گا۔“ انور نے اپنی کرسی میز کے قریب“

کھسکاتے ہوئے کہا۔

دونوں کھانے میں مشغول ہو گئے۔

”تم آخر اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“ آصف نے کہا۔

انور منہ چلاتے چلاتے رک کر اُسے گھورنے لگا۔ آصف سر جھکائے بولتا رہا۔ ”دنیا اس قدر“

کے معاملات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتی ہے اور یہ ہے بھی بُری بات، لاکھ تم اسے بہن سمجھتے ہو مگر دنیا....!“

”میں اُسے قطعی بہن نہیں سمجھتا۔“ انور بگڑ کر بولا۔ ”تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

مگر وہ رشیدہ کے بجائے رشید ہوتی تو کیا میں اُسے بھائی سمجھتا؟ دنیا.... دنیا.... کیا رٹ رہے ہو۔

میں بھی اس دنیا کا ایک فرد ہوں اور میں نے کبھی خود کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ کھانا کھاؤ

کھانا۔ یہ مسائل تصوف نہیں ہیں کہ تم آسانی سے سمجھ لو۔“

”خیر بھی تمہاری مرضی۔ سمجھنا میرا فرض ہے۔“ آصف نے اپنے حلق میں پھنسے ہوئے

نوالے کو پانی سے دھیلکتے ہوئے کہا۔

رضوان کی دھمکی

آصف کے چلے جانے کے بعد انور دروازہ بند کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ رشیدہ پھر“

”میں آئی۔“

”یہ لو اپنے روپے۔“ اُس نے کئی نوٹ انور کے منہ پر پھینک مارے اور جانے کے لئے“

”ڑی۔ انور نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔“

”کیا بگڑ گئیں؟“ اُس نے انتہائی رومانٹک انداز میں پوچھا۔

”چھوڑو....!“ وہ بیزار سے بولی۔ ”میں نہیں بات کرتی وحشیوں سے۔“

”تو تم نے یہ روپے کیوں واپس کر دیئے؟“

”میری خوشی.... میں نہیں رکھنا چاہتی۔“

”تو اب مزاج سیدھے نہیں ہوں گے؟“ انور تیز لہجے میں بولا۔

”نہیں....!“ وہ اُس سے سخت لہجے میں بولی۔

”تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے عشق ہے؟“ انور ہونٹ بھیج کر بولا۔ ”میں ساری رات“

”نہیں میں یہ سمجھتی ہوں کہ تم خود غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم پر کئی ہزار“

”نہیں میں یہ سمجھتی ہوں کہ تم خود غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم پر کئی ہزار“

جان سے عاشق ہوں۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو۔“ رشیدہ نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر باہر چلی گئی۔
انور نے اس انداز سے دروازہ بند کر لیا جیسے وہ اُس کی تعریف کر کے گئی ہے۔ اُس کا چہرہ
قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر میز کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جیب سے وہی کاغذ
پرزہ نکالا اور اُس پر نظریں جمادیں۔ میز کی دراز کھول کر اُس میں کچھ کاغذات اور نکالے۔ ابھی
انہیں میز پر رکھ بھی نہ پایا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔
”کون ہے؟“ انور جھنجھلا کر چیخا۔

”رضوان!...!“ باہر سے آواز آئی۔ انور نے گھڑی دیکھی گیارہ بج رہے تھے۔ اُس نے
کاغذات پھر میز کی دراز میں رکھ دیئے اور اٹھ کر دروازہ کھولتے ہوئے کچھ بڑبڑایا۔
رضوان کے ساتھ ساجدہ بھی تھی۔ انور ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ دونوں کمرے میں آئے۔
انور انہیں استفسار یہ نظروں سے گھور رہا تھا۔
”تم نے مجھے اُس لڑکی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا...؟“ ساجدہ نے انور سے پوچھا۔
”کیوں بتاتا۔“ انور بولا۔

ساجدہ خاموش ہو گئی۔ وہ تنفر آمیز انداز میں منہ بنائے کھڑی تھی۔ رضوان ایک کمرے کی
بیٹھ گیا اور اُس نے ساجدہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ
وقت کسی قسم کے تکلفات کے لئے تیار نہیں۔

”میں زبیدہ کا پتہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔“ رضوان انور کو گھورتا ہوا بولا۔

”اچھا جی۔“ انور شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

”زبیدہ کہاں ہے؟“ رضوان نے پھر پوچھا۔

”اس کوٹ کی جیب میں۔“ انور نے کھونٹی پر لٹکے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہنا۔

”اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔“ رضوان گرج کر بولا۔

”آہستہ بولو۔ پڑوس کے لوگوں کی نیند میں خلل پڑ جائے گا۔“ انور نے کہا اور سگریٹ

سلاگنے لگا۔

”میں دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتا ہوں۔“ رضوان سخت لہجے میں بولا۔

”تیسرا چوتھا اور پانچواں بھی استعمال کر سکتے ہو۔“ انور نے لاپرواہی سے کہا اور دھوئیں

بلکے دائرے منہ سے نکالنے لگا۔

”تم آخر بتا کیوں نہیں دیتے؟“ ساجدہ بولی۔

”کیوں؟ تمہیں اُس سے کیا دلچسپی...!“

”ارشاد کے کچھ کاروباری کاغذات اُس کے پاس ہیں۔“ ساجدہ بولی۔

”خیر میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔“ انور نے کہا۔ ”میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔“

”کیوں...؟“ رضوان نے چونک کر کہا۔

”اس لئے کہ میں تم پر انخوار کا مقدمہ چلوانا چاہتا ہوں۔“ انور پر سکون لہجے میں بولا۔

”بے کار مت بکو۔“ رضوان بیزاری سے بولا۔

”اور مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم اُسے ارشاد کے سر کیوں منڈھنا چاہتے تھے جب کہ یہ اچھی
طرح جانتے تھے کہ وہ اُس سے شادی نہیں کرے گا اور دوسری چیز یہ کہ جو بات تم نے پولیس سے
چھپائی تھی ساجدہ پر کیوں ظاہر کر دی اور سب سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ ساجدہ کے اور
تہارے تعلقات اس کے بعد بھی خوشگوار نظر آرہے ہیں حالانکہ ساجدہ کو تم سے اس بناء پر متنفر
ہونا چاہئے کہ تم اس کے شوہر کو ایک عورت کے پھندے میں پھنساؤ ہوئے تھے۔“

”یہ ہمارے نجی معاملات ہیں۔ تمہیں اس سے کیا غرض۔“ ساجدہ گڑبڑ کر بولی۔

”میں بھی تو کبھی تمہارے نجی معاملات میں دخل نہ چکا ہوں۔“ انور مسکرا کر بولا۔

ساجدہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور رضوان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ اُسے
کمانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

”دیکھو میں کہتا ہوں کہ اُس کا پتہ بتا دو۔“ رضوان نے کہا۔

”تم اس سلسلے میں پولیس کی مدد لے سکتے ہو۔“

”تم آخر اتنے درندے کیوں ہو۔ تمہیں مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا...؟“ ساجدہ بولی۔

”اُسے درندہ بنایا کس نے؟“ دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ رشیدہ دروازے کے قریب

کڑی ہانپ رہی تھی۔

”چہ چہ...!“ انور منہ بنا کر بولا۔ ”تم جا کر سو جاؤ۔“

”نہیں جاتی۔“ رشیدہ گرج کر بولی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

”اہلیہ محترمہ...؟“ رضوان نے آہستہ سے پوچھا۔

”نہیں....!“ انور بیزار سے بولا۔ ”ہاں اور کیا بات ہے؟“

”اور کوئی بات نہیں۔“

”اچھا.... اچھا....!“ انور جلدی سے بولا۔ وہ جب بھی ملے گی میں تمہیں مطلع کر دوں گا۔

اپنا پتہ لکھ دو۔ میں فلیٹ نمبر بھول گیا اور فون نمبر بھی لکھ دیتا۔

انور نے اُس کی طرف کاغذ اور قلم بڑھا دیا۔ رضوان ہچکچایا اُسے حیرت تھی کہ ایک بیک انو اتنا معصوم کیوں بن گیا۔

”مگر.... مگر....!“ رضوان نے کچھ کہنا چاہا۔

”واقعی....! میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔“ انور بولا۔

رضوان لکھنے لگا۔

”ٹھہرو....!“ انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

رضوان رک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

”تم نے اردو علاقائی زبان قرار دینے جانے والے فارم پر دستخط کیے ہیں یا نہیں؟“

سنجیدگی سے بولا۔

”ہاں.... کیوں....؟“

”اور پھر بھی تمہیں انگریزی میں پتہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی؟“ انور شرارت سے

مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ رضوان جھلا کر بولا اور کاغذ کے ٹکڑے اُسکی طرف ڈال دیے۔

انور لاپرواہی سے کوئی اثر لے بغیر سگریٹ پیتا رہا۔

”آؤ چلیں....!“ رضوان ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ساجدہ کھڑی ہو گئی۔

دروازے کی طرف بڑھے۔

”تمہارا دیوانہ پن یہی ہاتھ ٹھیک کریں گے۔“ رضوان جاتے جاتے مڑ کر انور کو مکا

ہوا بولا۔

”سردیوں میں دستانے استعمال کیا کرو۔ تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔“ انور مسکرا

اور داد طلب نگاہوں سے رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر رشیدہ اٹھ کر جانے لگی۔

”ٹھہرو۔“ انور اپنی آواز کو بار بار عب بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ رشیدہ رک گئی۔

”بیٹھ جاؤ۔“

وہ بیٹھ گئی۔

”تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟“

”تم سے مطلب....؟“

”اب سیدھی ہو جاؤ کھال ادھیڑ دوں گا۔“

”میرے بھی ہاتھ ہیں اور میں نے بھی ایک ہنر خریدا ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”میں سچ کہتی

ہوں کسی دن مارتے مارتے ادھ مرا کر دوں گی۔“

”شاباش شاباش“ انور بچوں کی طرح تالیاں بجاتا ہوا بولا۔ ”میں اس وقت تم میں ایک سچی

عورت دیکھ رہا ہوں۔ بھلا بتاؤ مردود مجھ سے کہتے ہیں کہ میں تم سے شادی کر لوں۔ اگر تم میری

بیوی ہو تیں تو دم دبا کر بیٹھ جاتیں اور میں نفرت کے مارے تمہیں ایک ٹھوکر رسید کر دیتا۔ جاؤ جا

کر سو جاؤ۔“

”نہیں جاتی۔“ رشیدہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ”تم اُس سے اردو میں پتہ کیوں لکھو ار ہے

تھے؟ یہ کیا حماقت تھی؟“

”حماقت....؟“ انور چونک کر بولا۔ ”کیا تمہیں وہ پرچہ یاد نہیں جو کسی نامعلوم آدمی نے

زبیدہ کے کمرے میں پھینکا تھا....؟“

”اوہ.... تو تمہیں اس پر شبہ تھا اور تم تحریر ملانے کے لئے اُس سے اردو لکھو ار ہے تھے؟“

”بہت دیر میں سمجھیں۔“ انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر رشیدہ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”زبیدہ سے کیا باتیں ہوئیں؟“

”کیا مطلب....؟“ رشیدہ چونک کر بولی۔ ”تمہیں کیسے معلوم ہوا۔“

”عورت مرد سے زیادہ کھوجی طبیعت رکھتی ہے۔ تمہیں اُس سے ملے بغیر چین پڑ ہی نہیں

سکتا تھا۔ تم کھانا کھانے کے بعد قلم دیکھنے کی بجائے وہاں چلی گئیں.... خیر.... لیکن تمہیں اس

وقت وہاں نہ جانا چاہئے تھا۔

”کیوں؟“

”اس لئے کہ مجرم اُس کی تلاش میں ضرور ہوگا۔“ انور نے کہا۔ ”خیر چھوڑو، اُس سے کیا باتیں ہوئیں؟“

”تمہارے چلے آنے کے بعد اُس نے ارشاد کے متعلق چھان بین کی اور اُسے اصلیت کا علم ہو گیا تو دل شکستہ ہو کر سعید منزل سے بے پول ہو ٹل میں منتقل ہو گئی اور پھر دوسرے دن اخبار میں ارشاد کے قتل کے متعلق پڑھا۔ ان سب حادثات نے اُسے تقریباً بخوبی الحواس کر دیا ہے۔“

”تم نے اُس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ پرچہ کس نے پھینکا تھا....؟“

”اُس نے کہا کہ وہ نہیں جانتی۔“

”رشو....!“ اُس نے بڑے پیار سے رشیدہ کو مخاطب کیا۔

”کیا....؟“ رشیدہ نیم باز آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

”تم بالکل گدھی ہو۔ اگر وہ اس طرز تحریر کو پہچانتی نہ ہوتی تو بدحواس کیوں ہو جاتی۔“

”میں بھی اتنا سمجھتی ہوں۔“

”تو پھر تم اُس کے کہنے میں کیوں آگئیں؟“

”وہ اسی پر اڑی رہی میں کیا کرتی۔“

”خیر.... اور کچھ؟“ انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

”اور کچھ نہیں۔“ رشیدہ جہاں ہی لیتی ہوئی بولی۔ ”یہ آصف اُس وقت کیوں آیا تھا؟“

”ایک بالکل نئی اطلاع لے کر، اپنی دانست میں اُس نے بڑا تیر مارا تھا۔“ انور نے کہا اور

سارے واقعات بتا دیئے۔

”ممکن ہے وہ خط شاہد کی بیوی ہی کا ہو۔“ رشیدہ بولی۔

”بات کوئی جچتی نہیں۔ ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ جس کے نیچے دستخط بھی نہ ہوں محض اُلٹ

کے نشان کی بناء پر اُس کا کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا خط محض رازداری ہی کے ذی-

سے بھیجا جاسکتا ہے۔ اچھا اگر رازداری کے خیال سے بھیجنے والے نے ہاتھ سے لکھنے کی بجائے

اُسے ٹائپ کیا اور نیچے اپنے دستخط بھی نہیں کیے تو کیا وہ ایسا احمق ہو سکتا ہے کہ اسی خط میں

اپنی غلطی کر جائے جو ایک نا سمجھ بچے کی نظر میں بھی اُسے راز نہ رہنے دے؟“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔“

”اس خط میں کھلم کھلا شاہد کا تذکرہ تھا اور وہ بھی اس انداز سے کہ ایک ننھا سا بچہ بھی پڑھ کر

یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ شاہد کی بیوی کا خط ہے۔“

”تو تم شاہد کو مجرم نہیں سمجھتے؟“ رشیدہ نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ زبیدہ کے کمرے میں

جس وقت وہ پرچہ گرا تھا شاہد ہی کا تذکرہ ہو رہا تھا اور وہ اس پر کچھ کہے بھی جا رہی تھی۔“

”تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے۔“ انور بولا۔ ”وہ چیز میرے ذہن میں ہے مگر میں محض

اسی بناء پر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا اس صورت میں شاید میں اُسی نتیجے پر پہنچتا۔ اگر درمیان میں

یہ شاہد کی بیوی والا خط نہ چپک پڑتا۔“

”تو پھر اب رضوان ہی رہ جاتا ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”کیوں سیٹھ اطہر کیوں نہیں۔ اُسے بھی تو ارشاد کی ذات سے کافی نقصان پہنچا ہے یا اور

دوسرے لوگ جن کا سرمایہ اُس ہیرے کی کان میں لگا ہوا تھا۔“

”رضوان کا نام میں ایک خاص مقصد کے تحت لے رہی ہوں۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”ساجدہ

فطرنا و باش واقع ہوئی ہے۔ ممکن ہے رضوان سے تعلق ہو گیا ہو اور رضوان نے ارشاد کو اپنے

ہاتھ سے ہٹانے کے لئے اُسے ایک عورت کے پھندے میں پھنسا کر خود ساجدہ کے ساتھ

گھمروے اڑانے کی راہ نکال لی ہو۔ پھر مستقل طور پر یہ کانٹا نکالنے کے لئے اُسے قتل ہی کر دیا ہو۔

اگر میرا خیال درست ہے تو ساجدہ بھی قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے شہر

کے ایک بہترین ماہر جرائم کی خدمات حاصل کیں۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ اُس کے شوہر کی

دماغی حالت درست نہیں تھی۔ اس لئے اُس نے خود کشی کر لی لیکن بُرا ہوا اس ماہر جرائم کا کہ اُس

نے اس خود کشی کو قتل ثابت کر دیا....!“

انور بڑے سکون سے رشیدہ کی گفتگو سن رہا تھا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی مسکرانے لگا۔

”تم بہت ذہین ہو رشو۔“ وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔ ”لیکن میرا دل چاہتا ہے میں سچ سچ

تمہاری کھال اڈھیز دوں۔“

”کیوں....؟“

”تم نے مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔“
”کیسی الجھن؟“

”یہی کہ قاتل نے دونوں فائر چہرے پر کیوں کیے تھے؟“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اس وقت نہ جانے میرا ذہن آئینہ ہو رہا ہے۔“ رشیدہ بولی۔

”وہ تبھی میں نے تمہارے بال پکڑ کر جھٹکے جو دیئے تھے۔ اگر کہو تو اور آئینہ کر دوں؟“

مسکرا کر بولا۔

”بے تحاشہ بانا کی چپل سے پینٹا شروع کر دوں گی۔ ساری وحشت نکل جائے گی۔“

”اور یہ فلکس کے جوتے دیکھتے ہیں تم نے؟“

”احتیاط سے رکھو انہیں جب یہ سو روپے ختم ہو جائیں تو انہیں اُبال کر پینا۔“ رشیدہ منہ

کر بولی۔ ”خیر چھوڑو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس دونالی بدوق میں لگے ہوئے دونوں کارتوں

چھوٹے چھروں والے تھے۔ ظاہر تھے کہ اگر وہ جسم کے کسی اور حصے پر چلائے جاتے تو اس سے

فورا موت واقع ہوتی اور ارشاد میں زخمی ہو جانے کے باوجود بھی جدوجہد کی قوت باقی رہتی

ممکن ہے اس طرح قاتل پکڑ لیا جاتا۔ لہذا اُس نے اُس کے چہرے پر فائر کر کے اُسے اندھا کر دیا

اور پھر بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد اُس نے اُس کا گلا گھونٹ کر اُسے فوراً ہی ٹھنڈا کر دیا ہو۔ ابھی

تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہیں آئی۔“

”رشتہ واقعی تم اس وقت کمال کر رہی ہو۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میں تمہاری عزت نہ کرتا

ہو تا تو یقیناً تم سے شادی کر لیتا۔“

”شادی تو ساجدہ سے کرنا۔ خالی ہو گئی ہے نا۔“

”مگر ساجدہ کو تم جیل خانے بھجوا رہی ہو؟“

”اور کیا تم بچ جاؤ گے، ایک طرح سے تم بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہو۔“

”اوہو..... تمہیں نہیں معلوم۔ تار جام کی پولیس میری طرف سے بھی مشکوک ہو گا

ہے۔ آصف بھی کچھ کچھ یہی سوچ رہا ہے۔“

”آصف کی حجامت تو کسی دن بناؤں گی۔“

”اچھا جاؤ۔ تمہیں اب نیند آرہی ہے۔“

”نہیں جاتی۔“

”اچھا جی.....! انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا کہا؟“

اُس نے رشیدہ کو کمرے کے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

حملہ

دوسرے دن انور بہت زیادہ مشغول رہا۔ آصف کی مدد سے اُس نے ارشاد کے دفتر کے

حسابات کی جانچ پڑتال کی۔ اُس کے بہترے کاغذ الٹا پلٹتا رہا۔ پھر وہاں سے ہائی سرکل ٹائٹ کلب

کی طرف چلا گیا۔ فیجر نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اُس نے اُسے بیٹھنے تک کونہ کہا۔

”میں یہ پوچھنے آیا ہوں.....“

”میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“ فیجر دروازہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔“ انور آہ کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”مسٹر انور..... میرے پاس فضول وقت نہیں۔“ فیجر بیزار سے بولا۔

”میں ارشاد کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”وہ کیا بتائے گا۔“ ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی کمرے میں گھستا ہوا بولا۔ ”میں بتاؤں گا۔“

”کر نل صاحب..... جناب والا..... براہ کرم۔“

”بکومت..... میں تمہاری ہی وجہ سے کنگال ہوا ہوں۔“ وہ چیخ کر بولا۔

”مسٹر..... ار..... کر نل صاحب براہ کرم خاموش رہئے۔“

”خاموش رہو۔“ انور فیجر کو گھور کر بولا۔

”مسٹر انور..... میں پولیس۔“ فیجر فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

”شوق سے۔“ انور لاپرواہی سے بولا۔ ”پولیس مجھ سے زیادہ اس کیس میں دل چسپی لے گی۔“

فیجر بے بسی سے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اُس کا منہ فق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو چلے تھے۔

”ہاں جناب..... اوہ..... کر نل صاحب بیٹھ جائیے۔“ انور نے کہا۔

”مسٹر انور آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟“ فیجر ہانپتا ہوا بولا۔

”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خاموش بیٹھے رہو.... ہاں کرئل صاحب؟“

”آپ ارشاد کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ وہ پکا بے ایمان تھا۔ اُس نے مجھے برباد کر دیا۔ کرئل نے کہا۔“ اور اُس سے بھی زیادہ یہ میری تباہی کا باعث ہے۔“ کرئل منیجر کو گھورتا ہوا بولا۔

”نہیں کرئل صاحب۔ منیجر بھلا آپ کی تباہی کا باعث کیسے ہو سکتا ہے؟“ انور نے کہا۔

”آپ یقین کیجئے اس نے مجھے اُس نامراد ہیرے کی کان کا حصہ خریدنے کے لئے مجبور کیا۔ اور اسی کے ہاتھ سے مجھے منافع بھی ملا تھا۔“

”جب آپ کو منافع بھی مل چکا ہے تو پھر اُس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟“

”ناراض کیوں ہو رہا ہوں؟“ کرئل گرج کر بولا۔ ”میرے دس ہزار روپے ڈوب گئے۔ اب ان کی چار سو بیس میری سمجھ میں آئی ہے۔ میرے ہی دس ہزار روپوں میں سے ایک ہزار روپے منافع کے نام پر مجھے واپس کر دیئے اور میں مطمئن ہو گیا۔ جو فرم ہر تیسرے مہینہ اپنے حصہ داروں کو منافع بانٹتی ہو اُس کی طرف کون نہ دوڑے گا۔“

”تم اب شوق سے پولیس کو فون کر سکتے ہو۔“ انور منیجر کی طرف دیکھ کر بولا اور جیب سے قلم نکال کر ایک سادہ کاغذ میز سے اٹھاتا ہوا کرئل کی طرف مخاطب ہوا۔ ”ہاں کرئل صاحب آپ کا نام اور پتہ؟“

وہ کافی دیر تک کرئل سے پوچھ گچھ کر تا رہا۔ پھر منیجر کی طرف مڑا۔

”تم نے ابھی تک پولیس کو فون نہیں کیا؟“ انور نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

”مسٹر انور....!“ منیجر کی آواز حلق میں رک گئی۔

”پیارے منیجر....!“ انور اُسی انداز میں بولا۔

”میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔“

”بھلا مجھ کو صفائی سے کیا غرض۔ نہ میں حاکم نہ مجسٹریٹ۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”آپ سب کچھ ہیں، میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”اور اس کے باوجود بھی تم نے انسپکٹر آصف سے میری شکایت کی تھی۔ حالانکہ میں اُسے

اپنی بوڑھی اولاد سے زیادہ نہیں سمجھتا۔“

”مسٹر انور مجھے افسوس ہے۔“

”میں تم سے معافی نامہ لکھوانے نہیں آیا۔“ انور تیز لہجے میں بولا۔ ”تو تم ارشاد کے کمیشن ایجنٹ تھے؟“

”نہیں.... انہوں نے میری محنت کے صلے میں دس ہزار روپے کا حصہ مفت دے دیا تھا۔“

”کیسے یقین آئے گا اس پر جب کہ ہیرے کی کان کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔“ انور نے کہا۔

”یہ مجھے آج کے اخبار سے معلوم ہوا ہے۔“ منیجر بولا۔

”بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اس پوری سازش کے سب سے بڑے حصہ دار ہو۔“ انور نے کہا۔

”کیوں آپ مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ منیجر بے چارگی سے بولا۔

”تو پھر تم نہ پھنسو گے تو کیا میں پھنسون گا۔“ کرئل نے کہا۔

”کرئل صاحب آپ غالباً پولیس کو اطلاع دے چکے ہوں گے؟“

”ہاں دے چکا ہوں۔“

”تو بس اب تشریف لے جایئے۔“ انور نے بے رخی سے کہا۔ کرئل کچھ دیر بیٹھا دونوں کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

”ہاں تو پیارے منیجر۔“ انور اُس کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”مسٹر انور میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔“ منیجر گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

”کچھ بچتاؤ۔ پرسوں یہاں ارشاد آیا تھا یا نہیں؟“

”نہیں....!“

”شاید.... اُس کا پارٹنر....؟“

”وہ کلب میں ممبر نہیں تھے لیکن کبھی اُن کے ساتھ آیا کرتے تھے اور آپ کے جانے کے

بعد پرسوں وہ آپ ہی کی طرح ارشاد کے متعلق پوچھنے کے لئے آئے تھے اور کچھ گھبرائے ہوئے

بھی تھے۔“ منیجر نے کہا۔

”اوہو.... بہت اچھے۔ تو تم بھی پولیس ہی کی طرح ارشاد کا قتل شاید کے سر تھوپنا چاہتے

ہو۔ لیکن تم مجھے بھلا نہیں سکتے۔ رضوان کو جانتے ہو؟“

”نہیں تو.... میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔“

”بہت اچھے تو تم بھی اُس کے قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتے ہو، کیا تمہیں نہیں

معلوم کہ ارشاد یہیں سے اُس کے نام پارسل بھیجا کرتا تھا اچھا خیر تمہارا نام بھی مشتبه آدمیوں فہرست میں شریک کر لیا جائے گا۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔

”مسٹر انور میں رضوان کو نہیں جانتا۔“ فیجر بے بسی سے بولا۔ ”ارے سنئے تو سہی ارے.... آپ....!“

انور کوئی جواب دیئے بغیر فیجر کے کمرے سے نکل گیا۔ فیجر اس طرح کرسی پر پڑا ہانپ رہا تو جیسے کوئی غیر مرئی قوت اُس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔

انور دن بھر مارا مارا پھر اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جلد ہی اصل مجرم پر قابو پایا جائے گا۔ اُس کا ذہن ایک مخصوص لائن پر سوچ رہا تھا۔ آج وہ ایک بار ساجدہ کے گھر بھی گیا تھا اس بات ر اطلاع دینے کہ ابھی تک زبیدہ کا سراغ نہیں ملا۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ساجدہ نے گھرے سارے ملازمین کو برطرف کر دیا ہے اور وہ صحیح معنوں میں ایک مفلس بیوہ کی طرح زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساجدہ نے زیورات اور دوسری قیمتی اشیاء کر اپنے شوہر کا قرض ادا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور اس کے بعد بقیہ زندگی بسر کرنے کے لئے کسی حیرت انگیز مقام پر چلی جائے گی۔ انور اُس کی اس قربانی پر عیش عیش کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آج اس مسئلے کو سلجھا کر ہی رہے گا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے بے شمار کاغذات میز پر پھیلا دیئے۔ وہ ایک ایک کاغذ کا بخور مطالعہ کر رہا تھا۔

”اُف میرے خدا۔“ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کرسی کی پشت سے ٹک کر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر دفعتاً اٹھ کر نشست کے کمرے میں آیا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اُس نے بجلی جلانے کی زحمت گوارا نہ کی اور دیا سلانی کھینچ کر اُسکی روشنی میں ٹیلی فون کے نمبر گھمانے لگا۔ ”ہیلو آصف....!“ وہ ماؤ تھ پیس میں بولا۔ ”میں انور بول رہا ہوں۔ رضوان جس عورت کا وجود چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اُس کا پتہ لگ گیا ہے وہ پیٹر روڈ کے نفیس ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۰ میں مقیم ہے۔ اُس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جلدی کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُس کا بھی وہی انجام نہ ہو جو دھار سنگھ کا ہوا۔ جلدی کرو میں گھر پر ہی ہوں۔“

انور ریسور رکھ کر جیسے ہی پلٹا کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اس طرح خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ کمرے میں روشنی کیے بغیر ہی اُس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دفعتاً ایک نارنج

روشنی اُس کے چہرے پر پڑی اور اُس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں نے ایک اُس سے بھی زیادہ تیز چمک کی جھلک دیکھی اور پھر وہ ایک چیخ کے ساتھ کمرے کے وسط میں جاگرا۔ اندھیرے کی تہیں اور موٹی ہو گئیں۔

پھر نہ جانے کتنی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے پلنگ پر پڑا ہے اور اُس کا دہنا بازو اس طرح جل رہا ہے جیسے ریشے ریشے میں آگ بھردی گئی ہو اور پھر اُسکے کانوں میں ایک ایسے گیت کی آواز گونجنے لگی جس سے اُسے بے انتہا نفرت تھی۔ کوئی بھاری اور بے ہنگم آواز میں گنگنا رہا تھا۔

”مان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار۔“

”یہ کون بد مذاق ہے۔“ انور آنکھیں بند ہی کیے ہوئے زور سے بڑبڑایا۔ ”خدا کے لئے اس

نفرت انگیز گانے کے بجائے کچھ اور گاؤ۔ مجھے قطعی اعتراض نہ ہوگا۔“

”اوہ تمہیں ہوش آگیا؟“ کوئی اُس پر جھک کر بولا۔ انور نے آنکھیں کھول دیں۔

آصف غور سے اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ انور نے اٹھنے کی کوشش کی اور اب اُسے تھوڑی دیر قبل کا واقعہ یاد آرہا تھا۔

”کیا میرے سینے میں زخم ہے؟“ انور نے آصف سے پوچھا۔

”نہیں لیٹے رہو.... زخم بائیں بازو میں ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”مگر وہ تھاکون؟“

”مجھے افسوس ہے کہ وہ اپنا نام بتانا بھول گیا۔“ انور جھلا کر بولا۔

”ارے جنگلی اس حالت میں بھی تمہاری زبان نہیں مانتی۔“ آصف مسکرا کر بولا۔

”زبیدہ کہاں ہے؟“

”اُس نے زہر کھالیا۔ میں اُسے پولیس کی گاڑی میں کو توالی لے جا رہا تھا اُس نے ہماری

غفلت سے فائدہ اٹھا کر زہر کھالیا اور وہ زہر بھی اتنا سریع الاثر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو گئی۔

کچھ ایسے واقعات پیش آرہے ہیں کہ عقل ہی کام نہیں کرتی.... وہ لڑکی تھی کون؟“

”ایک مظلوم لڑکی۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید حوالات میں اُسے پناہ مل سکے۔ خیر اُسے مرنا تو

تھا ہی زہر نہ کھاتی تو قتل کر دی جاتی۔ وہ ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں بہت کچھ جانتی تھی لیکن

بتانے سے پہلے ہی چل بسی۔“

اور پھر انور نے آصف کو زبیدہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ لیکن اُس پرچے کے بارے میں

کچھ نہیں بتایا جو زبیدہ کے کمرے میں گرا تھا۔

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔“ آصف آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”تمہیں پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع چاہئے تھی۔“

”سنو آصف! میں اتنا پتھر نہیں ہوں جتنا کہ لوگ مجھے سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ زبیدہ نام منظر عام پر نہ آئے۔ وہ دنیا کی مظلوم ترین ہستی تھی۔ مگر پھر مجھے مجبور ہو جانا پڑا۔ مجھے یہ غور لاحق ہوا کہ کہیں اُس کا بھی وہی حشر نہ ہوا ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔“

”تمہاری اسی احتیاط نے اُس کی جان لی۔“ آصف نے کہا۔

”نہیں آصف، پولیس جب بھی اُسے حراست میں لینے کی کوشش کرتی، زندہ نہ پاتی۔“ سمجھ لو کہ انور جس سے ہار جائے دنیا کی کوئی طاقت اُسے قابو میں نہیں لاسکتی۔ وہ پولیس کو ایڈ لفظ بھی نہ بتاتی۔“

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کی نگاہیں فکر آمیز انداز میں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ”تو کیا اب قاتل کا پتہ نہ لگ سکے گا؟“ آصف نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ”ایسا تو نہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”کل تم اُسے مردہ یا زندہ پولیس کی لاری میں لاؤ۔ کو تو اُلی لے جاؤ گے۔“

”وہ کون ہے؟“ آصف نے بے ساختہ پوچھا۔ انور مسکرانے لگا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آصف کی بے چینی قبل از وقت اور فضول ہے۔ وہ ابھی ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتا۔ ”میں خود نہیں جانتا۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن کل وہ یقیناً میرے قابو میں ہوگا۔ اوہ.... رشید کہاں ہے؟“

”دوا لینے ڈاکٹر کے ساتھ گئی ہے۔“ آصف نے کہا۔

”اوہ تو ڈاکٹر مجھے دیکھ چکا ہے؟“

”ہاں.... لیکن تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ حملہ آور کون تھا؟“

”بھئی میں خود نہیں جانتا۔ اُس نے پہلے میرے چہرے پر نارنج کی روشنی ڈال کر مجھے چند دیا۔ پھر شاید چاقو سے وار کیا تھا۔“

”ہاں زخم چاقو کا ہے۔ مگر زیادہ گہرا نہیں۔“ آصف نے کہا۔ ”میں زبیدہ کی لاش کو ہتھ

پہنچا کر سیدھا یہیں آیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ نارنج جلائی تو تم فرش پر پڑے دکھائی دیئے۔ رشیدہ بھی موجود نہیں تھی لیکن وہ تھوڑی دیر بعد آگئی۔ میں نے فون پر ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔ رشیدہ بہت پریشان تھی۔ واقعی وہ تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہے۔“

”دوست چاہتے ہی ہیں۔ وہ میرا دوست ہے میں اُسے لڑکی نہیں سمجھتا۔“ انور آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔

”کیا تم اس کی رپورٹ پولیس کو دو گے؟“ آصف نے پوچھا۔

”یقیناً جودل چاہے لکھ دینا۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن شےبے میں رضوان کا نام ضرور لکھوا دینا۔ وہ کل مجھے زبیدہ کے سلسلے میں دھمکی دے کر گیا تھا۔ اُس کا نام اخبار میں بھی آجائے تو اور اچھا ہے میں وجہ نہیں بتاؤں گا بس۔“

قاتل کون

دوسرے دن پولیس رضوان کی تلاش میں تھی اور وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اخبارات میں زبیدہ کی تصویر اور اُس کی درد بھری کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس طرح پبلک ارشاد کے ایک اور سیاہ کارنامے سے واقف ہوئی۔ لیکن اب اُس کے قاتل کا نام جاننے کے لئے لوگوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اُسے شاہد نے قتل کیا تھا یا رضوان نے؟ انسپکٹر آصف نے شاہد کی بیوی کو حراست میں لے لیا تھا۔ ہائی سرکل ٹائٹ کلب کے منیجر کی گرفتاری زیر غور تھی۔

لوگوں کو توقع تھی کہ اس بار پھر کرائم رپورٹر انور ہی قاتل کی گرفتاری کے سلسلہ میں پولیس کی رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ انور پر اچانک حملے سے تو یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہے۔ اس لئے قاتل نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

انور آج آفس نہیں گیا۔ حالانکہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور نہ وہ کوئی خاص تکلیف ہی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ باہر نہیں نکلا۔ انسپکٹر آصف نے اُس کے گھر کے کئی چکر لگائے لیکن اُس سے کوئی کام کی بات نہ معلوم کر سکا۔ وہ اُسے بچوں کی طرح بہلاتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے اس وعدے پر قائم تھا کہ آج وہ قاتل کو پولیس کے ہوالے کر دے گا۔ اُس نے

”شاباش.... اب تم اس وقت ایک جوان عورت نہیں مرد معلوم ہو رہی ہو۔“ انور بے اختیار بولا۔

”اور یہ گھونسا....؟“ رشیدہ مٹھی باندھ کر انور کے چہرے کے سامنے نچاتی ہوئی بولی۔

”بہت لذیذ.... لیکن ابھی اس کے استعمال کا وقت نہیں۔“

تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل شہر کی متعدد سڑکوں پر فرارے بھرتی پھر رہی تھی۔ انور نے اس دوران میں رشیدہ کو اپنی پوری اسکیم سے آگاہ کر دیا تھا۔ موٹر سائیکل کی رفتار آسکر اسٹریٹ میں پہنچ کر کم ہو گئی اور پھر وہ دونوں اتر پڑے۔ موٹر سائیکل ایک سڑک کے کنارے کھڑی کر کے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ آسکر اسٹریٹ پر سکون سڑک تھی جس کے دونوں اطراف عالی شان کوٹھیاں تھیں۔ یہاں زیادہ تر متمول لوگ رہتے تھے۔

تقریباً نو بج گئے تھے۔ سردیوں کی رات تھی اور جلد ہی چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ اکثر کوٹھیوں کی جالیوں، کھڑکیوں اور روشندانوں سے روشنی چھن کر سڑک پر آرہی تھی۔ وہ دونوں ساجدہ کی کوٹھی کے سامنے رک گئے۔ انور نے آہستہ سے سلاخوں دار پٹائیک کھولا اور دونوں کپاؤٹ میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی چاروں طرف سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ رشیدہ کوٹھی کا چکر لیتی ہوئی پچھواڑے کی طرف چلی گئی اور انور برآمدے کی طرف بڑھلے پے پے گھنٹی بجانے کے بعد ایک دروازہ کھلا اور برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔

”کون ہے؟“

”اوہ ساجدہ....!“ انور آگے بڑھ کر بولا۔

”انور.... کیوں.... کیا ہے؟“ ساجدہ اونچی آواز میں بولی۔

”میں بہرہ نہیں ہوں۔“ انور نے کہا۔

”کیوں....؟“

”رضوان کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا تم نے آج کا اخبار نہیں پڑھا....؟“ انور کمرے میں گھستا ہوا بولا۔

”کیوں تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔“ ساجدہ بے بسی سے بولی۔

”رضوان نے تمہارے سامنے مجھے دھمکی دی تھی۔ کیا تم میری طرف سے گواہی دو گی؟“

رشیدہ کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ حسب معمول رشیدہ دفتر چلی گئی اور جب وہ شام کو واپس آئی تو انور پہلے ہی کی طرح کتابوں میں ڈوبا ہوا پایا۔

”کیا وہ قاتل ان کتابوں کے کسے صفحے سے چپکا ہوا ہے؟“ رشیدہ بولی۔

”نہیں وہ تمہاری کپٹلی آنکھوں سے جھانک رہا ہے۔“ انور نے کہا اور کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔ وہ تھوڑی دیر تک تفکر آمیز انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھتا رہا پھر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”اچھا میرے دوست! اب اس ڈرامے کے آخری سین کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

”کیا مطلب....؟“

”غالباً ہمارے دونوں پستول ٹھیک حالت میں ہوں گے؟“ انور نے کہا۔

”ہاں ہیں تو لیکن تمہارا ارادہ کیا ہے؟“

”ایک گیدڑ کی بھٹ میں گھسنا ہے جسے لوگ خواہ مخواہ بھیڑنا سمجھے بیٹھے ہیں۔“

”تمہارا اشارہ قاتل کی طرف ہے؟“ رشیدہ نے کہا۔

”ہاں۔“

”لیکن وہ ہے کون؟“

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ ذرا اندھیرا پھیلنے دو۔“ انور نے کہا۔ ”ہاں رشو، اُن پستولوں کو ایک بار پھر دیکھ لیا جائے۔“

رشیدہ اپنے کمرے سے دونوں پستول لے آئی۔ انور آنکھیں گھما کر دیکھنے لگا۔

”تو کیا پولیس کی مدد نہ لو گے؟“ رشیدہ نے کہا۔

”پولیس بعد کی چیز ہے۔ اگر اُس نے مجھ پر حملہ نہ کیا ہو تا تو میں خواہ مخواہ کی درد سہری مول نہ لیتا۔ مگر اب ضروری ہو گیا ہے۔“

”تو پھر میں اس غرارے اور دوپٹے کو تہہ کر کے بکس میں رکھ دوں؟“ رشیدہ نے کہا۔

”قطعاً....!“ انور نے کہا اور سگریٹ سلگا کر کمرے میں ٹپلے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ لباس تبدیل کر کے آگئی۔ اُس نے کتھی رنگ کے چڑبے کی جیکٹ اور خاکی گیر ذین کی پتلون پہن رکھی تھی۔

اس وقت انور سچ آئے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

انور ایک صوفے میں دھنستا ہوا بولا۔

”مجھے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔“ ساجدہ بیزار سے بولی۔

”ایسا نہ کہو۔“ انور انتہائی جذباتی لہجے میں بولا۔ ”مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔“

ساجدہ غم انگیز نظروں سے اُسکی طرف دیکھنے لگی۔ شاید اُس کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔

”انور اب اس قصبے کو مت چھیڑو۔ میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا ہے۔“ ساجدہ ایک طویل

سانس لے کر بولی۔

”غالباً اسی لئے تم ارشاد کی ڈاڑھی بڑھنے کا انتظار کر رہی ہو تاکہ اُسے ایک مولوی کے بھیج

میں حج کا بہانہ کر کے یہاں سے نکال لے جاؤ۔“ انور نے اپنا ایک ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے

اطمینان سے کہا۔ ساجدہ بے اختیار اچھل پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ دفعہ

سانے والے کمرے سے ایک فائر ہوا۔ اگر انور پہلے ہی سے غیر ارادی طور پر ایک طرف نہ جھک

گیا ہوتا تو اُس کا شکار ہو جانا یقینی تھا۔ دفعہً وہ اچھل کر ساجدہ پر آ رہا اور اُسے ڈھال بنا کر پستول

نکالے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

”ارشاد تمہاری دوسری گولی ساجدہ کے لگے گی۔“ انور چیخ کر بولا۔ ”تم یہاں سے بھاگ

نہیں سکتے۔ چاروں طرف پولیس لگی ہوئی ہے۔“

ساجدہ اُس کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

”تم ایک اچھی اداکارہ ہو۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”اور ہندوستانی صنعت فلم سازی کا ایک

روشن مستقبل.....!“

ساجدہ اُسے بے تحاشا گالیاں دے رہی تھی۔

دفعہً سانے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور ارشاد اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے باہر آیا۔

اُس کے پیچھے رشیدہ تھی جس کے پستول کی نالی ارشاد کی کمر میں چبھی ہوئی تھی۔

”بہت اچھے۔“ انور بچوں کی طرح چیخا۔

رشیدہ داد طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھنے لگی اور ارشاد نے پھرتی سے پلٹ کر ایک

ہاتھ اُس کے پستول پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ جست

لگا کر دُازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن انور کے پستول سے ایک شعلہ نکلا اور ارشاد برآمد

میں پہنچتے پہنچتے چیخ مار کر گر پڑا۔ انور ساجدہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف لپکا۔ رشیدہ جو زمین سے اٹھ گئی

تھی ساجدہ پر جھپٹ پڑی۔

گولی ارشاد کے پیر میں لگی تھی۔ وہ ایک زخمی کتے کی طرح زمین پر پڑا غرا ہوا تھا۔ انور اُسے

بے دردی سے کھینچتا ہوا پھر کمرے میں لے آیا۔ رشیدہ اور ساجدہ ابھی تک گتھی ہوئی تھیں۔

انور نے زمین پر پڑا ہوا پستول اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

”رشو..... اب یہ سلسلہ ختم بھی کرو۔“ انور اکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور رشیدہ نے

ساجدہ کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ لہرا کر زمین پر آ رہی اور بے ہوش ہو گئی۔

”اگر تم کل رات کو مجھ پر حملہ نہ کرتے تو شاید میں یہ تکلیف گوارا نہ کرتا۔“ انور ارشاد کی

طرف دیکھ کر بولا۔ ”شاید، دھارا سنگھ اور زبیدہ کا خون ناحق تمہاری گردن پر تھا اور تم حج کرنے

جارہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری بیوی بڑی ہوشیار ہے مگر اس نے اس معاملہ میں مجھ

سے مدد لے کر غلطی کی.... مگر نہیں، وہ تمہیں شاہد کی لاش تو اپنی لاش ثابت کرنی تھی۔ شاہد کو

اپنا مفروضہ قاتل بھی ثابت کرانا تھا اور اسی لئے تم نے اُس کے قتل کا وہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اُس

کی شکل ہی بگڑ جائے۔ ظاہر ہے جب تمہاری بیوی ہی شاہد کی لاش کو تمہاری لاش تسلیم کر لیتی تو

کسی کو کیا اعتراض ہوتا۔ مگر تم نے اس سلسلے میں دو اہم غلطیاں کیں۔ ایک تو شاہد کی بیوی کو جعلی

خط اور دوسرے وہ پرچہ جو تم نے پنسل سے گھسیٹ کر زبیدہ کے کمرے میں ڈالا تھا۔ تم نے اپنا جرم

چھپانے کے لئے اتنی حماقتیں کیں کہ خدا کی پناہ۔“

انور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

”ہیلو آصف..... میں ۱۳۔ آسکر اسٹریٹ سے بول رہا ہوں۔ وعدے کے مطابق تمہارا شکار

میرے قابو میں ہے..... نہیں..... نہیں زیادہ انتظام کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خارش زدہ گیدڑ

کی طرح بے بس پڑا ہے۔“

آصف نام پوچھتا رہ گیا مگر انور نے ریسیور رکھ کر کمرے میں ٹھہلا شروع کر دیا۔

”ساری پرانی دشمنی تم آج ہی نکال لو گے؟“ ارشاد نے آہستہ سے کہا۔

”میں نے صرف کل رات کے حملے کا انتقام لیا ہے۔“ انور نے لاپرواہی سے کہا۔

”اس کا مطلب کچھ اور ہے۔“ رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ انور کو اُس کی مسکراہٹ بڑی سفاک

معلوم ہوئی۔ اُسے یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ وہ ایسے ماحول میں بھی مسکرا سکتی ہے۔

”ساجدہ بے قصور ہے قطعی بے قصور۔ دیوالیہ ہو جانے کے بعد اور یہ محسوس کرنے پر اب ہیرے کی کان کا اسٹنٹ زیادہ نہیں چل سکتا۔ میں نے یہ پروگرام بنایا تھا۔“ ارشاد نے کہا اور درد کی شدت کی وجہ سے کراہنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”میں نے ساجدہ کو اپنی پوزیشن پر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرے پاگل پن کی فرضی داستان لے کر تمہارے پاس جائے اور میر کسی دوسرے ملک کو فرار ہو جاؤں۔ اگر میں اُس سے یہ بتا دیتا کہ میں اپنی فرضی خود کشی کو منظر عام پر لانے والا ہوں تو وہ کبھی اس پر تیار نہ ہوتی۔ پھر میں نے شاید کو تار جام لے جا کر قتل کر دیا اور دھارا سنگھ نے شاید کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس لئے مجھے اُسے بھی قتل کر دینا پڑا۔ بہر حال ساجدہ بے قصور ہے۔ تم اسے بچانے کی کوشش کرنا۔“

”کیا تم اُس دن شاہد کے ساتھ زبیدہ کے پاس گئے تھے؟“

”ہاں.... اور میں نے یہی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔“

”تم نے دیکھا کہ وہ کس طرح تم پر قربان ہو گئی؟“ انور نے نفرت سے منہ سکڑ کر کہا۔ ”تم

جیسے ناپاک آدمی کے لئے اُس نے جان دے دی۔“

ارشاد نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

تھوڑی دیر بعد آصف کچھ کاشییلوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ارشاد کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

انور ہنسنے لگا۔

”میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔“ انور بولا۔

”مگر.... مگر....!“ آصف ہلکایا۔

”ہاں ہاں یہ ارشاد ہے۔ اُس کا بھوت نہیں۔ جس کا قتل ہوا وہ شاہد تھا.... رضوان کا اس معاملے میں کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ صرف زبیدہ والے حادثے کے سلسلے میں روپوش ہو گیا ہے۔ یہ معہ اب ایسا نہیں رہ گیا کہ جسے تم نہ حل کر سکو۔ اچھا گڈ نائٹ۔ آؤ شو چلیں۔ ہم نے ابھی کتنا بھی نہیں کھایا ہے۔“

”مگر سنو تو سہی۔“

”اور جو کچھ پوچھنا ہو گھر آکر پوچھنا۔ ان دونوں کو فی الحال لے جاؤ۔“ انور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

”مگر میں حکم دیتا ہوں۔“ آصف بلند آواز میں بولا۔

”اچھا جی۔“ انور پلٹ کر بولا۔ ”پھر اڑنے لگے۔ تمہارے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کامیابی کا سہرا تمہارے سر باندھ رہا ہوں۔ مجھے تو اپنے اخبار کی رپورٹ سے مطلب ہے۔ مگر ہاں کچھ کھانے کا انتظام کر سکتے ہو؟“

تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ ایک ریسٹوران میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ”اگر وہ پرچہ میرے ہاتھ نہ لگتا تو میں کبھی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا۔“ انور نے کہا۔ ”خیر چھوڑو ہٹاؤ۔ کوئی اور بات کرو۔ زبیدہ مفت میں ماری گئی۔ اُس کے اس جذبے کی میں قدر کرتا ہوں۔ کسی قاتل کا ساتھ دینے کے لئے بڑی ہمت چاہئے اور یہ معلوم ہو جانے کے باوجود بھی وہ حتی الامکان اُسے بچانے کی کوشش کرتی رہی کہ اُس کا تعلق دوسری عورتوں سے تھا۔“

”مجھے تو اُس سے قطعی ہمدردی نہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔“ انور بولا۔

”بہر حال ساجدہ جیل ضرور جائے گی۔“

”ادنبہ چھوڑو بھی۔ اس وقت رومانی گفتگو کرنے کو دل پاہ رہا ہے۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”دیکھو فضل کتنی خوشگوار ہے۔ رات گیسوؤں کی طرح تاریک ہے اور تمہارے گیسو، تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔ ان میں آسمان سے ستارے اترے، آ رہے ہیں۔ رشو فوراً آنکھیں بند کرلو۔ کہیں پھوٹ نہ جائیں۔ ستارے بہت وزنی ہوتے ہیں۔ سنا ہے کہ بعض ہماری زمین سے بڑے ہوتے ہیں۔“ رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

ختم شد